ہم دشت تھے کہ دریا

اسے سن کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ناظمہ ایسا کیسے کہہ سکتی ہے اور وہ بھی میری بیٹی کے لیے...... میری زینب کے لیے...... میری ہی ماں جائی ہے وہ...... کیسے میری بیٹی کو......'' وہ سوچ رہا تھا لیکن منصور کی آواز نے اس کے سوچنے سمجھنے کی باقی ماندہ صلاحیتیں بھی منجمد کر دیں۔

''بالکل درست فیصلہ کیا آپ نے۔ جب وہ تو میرا بیٹا بیاہنے کے لیے پیچھے پڑیں تھے' میں نے صاف انکار کر دیا تو آپ کو چکر دینے لگے۔ میں تو چھوٹا ہوں' مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ اچھا ہوا آپ نے کھری کھری سنا دیں بلکہ میں تو کہتا ہوں یہ بات جو اب آپ کہہ رہی ہیں' وہ بھی کہہ دینا چاہیے تھی۔ آخر آپ بڑی ہیں' کہہ سکتی ہیں نا۔'' اس نے اکسایا مگر ناظمہ نے جیسے بڑا احسان کرتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کریں' آخر ہے تو بھائی...... اور پھر......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ شاید اس نے اب تک دوسری والی بات منصور اور فاطمہ کو نہیں بتائی تھی۔

''اور فاطمہ! تم اتنی بے فکر مت بیٹھو' کیا پتا اب بھائی جان تمہارے پاس آ جائیں۔ آخر تمہارے دو دو بیٹے ہیں اور تم تو ہو ہی بے وقوف۔ ان کی مسکین سی شکل

دیکھ کے کہیں نرم نہ پڑ جانا۔'' یہ منصور کی بیوی تھی' اس کی چھوٹی بھاوج......اور کتنا تمسخر تھا اس کے لہجے میں اپنے جیٹھ کے لیے۔ سرمد نے جھرجھری لی۔

''نہیں بھابی! وہ جانتے ہیں' میرے دونوں بیٹے زینب سے کئی کئی سال چھوٹے ہیں۔'' ہمیشہ کی کم گو فاطمہ نے جواب دیا۔

''اس گمان میں مت رہنا' عمروں کا فرق ان کے لیے کیا معنی رکھتا ہے بھلا۔''

اس نے وحشت زدہ سا ہو کے اس گھر کو دیکھا جو اس نے بڑے چاؤ سے بنوایا تھا۔ یہ سوچ کر کہ عمر بھر کی مشقت کے بعد وہ یہاں ستانے کے لیے آئے گا لیکن اس گھر کی پناہیں نہ اس کے لیے گرم جوش تھیں نہ اس کی اولاد کے لیے۔ یہ گھر پہلے بھی اس کے لیے مکان تھا اور اب بھی مکان ہی ہے......ایک پرایا مکان۔

آج سے آٹھ سال پہلے بھی وہ اس گھر میں......نہیں اس مکان میں آیا [illegible] تب اسے بنے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا لیکن تب بھی اسے وہ کونے [illegible] ہی ملا تھا اور تب بھی اس کے حصے میں اتنا ہی گریز آیا تھا۔ نہیں اتنا نہیں......جتنا اب آیا ہے۔ اب تو یہ گریز' لاتعلقی' اجتناب اور حقارت سے ضرب کھا کھا کے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے......

***

یہ تب کی بات ہے جب امریکا کے ویزے ملنا اتنے مشکل نہ ہوتے تھے' اس لیے بی اے کرنے کے بعد چار سال تک دھکے کھانے کے بعد جب اچانک اسے پہلی ہی بار [illegible] اپلائی کرنے کے بعد ورکنگ ویزا مل گیا تو مارے حیرت اور خوشی کے وہ یہ تک سوچنا بھول گیا کہ ٹکٹ کا انتظام کیسے کرے گا اور وہاں کس کے پاس جائے گا۔ جاننے والوں میں دور دور تک کوئی امریکا تک نہیں پہنچا تھا' جب جی بھر کے خوش ہو لیا تو فکر لے کر بیٹھ گیا کہ آخر جانے کا بندوبست کیسے ہو۔

آخر اماں نے بچا بچا کے رکھے اپنے دو کنگن اور ناظمہ کے جہیز کے لیے بنائے چند تولے کے زیورات بیچ دیے۔ ابا کا پرانا اسکوٹر بھی چند ہزار میں بک گیا۔ ناظمہ نے میٹرک کے بعد گھر بیٹھ کر ٹیوشنیں پڑھا پڑھا کے جو تھوڑی بہت رقم جمع کی تھی' وہ بھی اس کے حوالے کی۔ نہ مکان اپنا تھا نہ دکان' جسے بیچا جاتا اس لیے جو کمی رہتی تھی وہ قرضہ لے کر پوری کی گئی۔ سود پر قرضہ بھی کتنے جتنوں کے ساتھ ملا اور یوں اس نے کتنی ہی امیدوں' کتنی ہی آرزوؤں کے بوجھ کے ساتھ اس اجنبی سرزمین پر پہلا قدم رکھا۔

وہ یہاں بالکل اجنبی تھا' ایک دم انجان......گھبراہٹ سے سوا بے چینی تھی اور بے

چینی سے بڑھ کے لاچاری اور اس سے بھی زیادہ اذیت ناک وہ ہراس تھا جو اس کی ہڈیوں تک میں اترتا جا رہا تھا۔ ''کہاں جاؤں' کس کے پاس جاؤں' کیسے جاؤں' کہاں رہوں؟'' ایئرپورٹ سے وہ نکل تو آیا مگر اب سڑک پر کھڑا ان سوالوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ کسی ایسے ہوٹل کے بارے میں نہیں جانتا تھا جہاں کم سے کم روپے خرچ ہوں۔ اسے اپنی جیب میں موجود معمولی سی رقم کا بھی اندازہ تھا اور یہ احساس بھی تھا کہ نہ جانے اور کتنے دن ان ہی کے ساتھ گزارا کرنا پڑے۔ کتنے ہی قصے سن رکھے تھے کالوں کی دہشت گردی کے' یہ خوف اسے سہمائے دے رہا تھا کہ اگر کسی نے یہ چند ڈالر بھی ہتھیا لیے تو وہ کیا کرے گا۔ آس پاس سے گزرنے والے دیوہیکل' لمبے تڑنگے' لال لال آنکھوں والے کالوں کو دہشت زدہ سا دیکھ رہا تھا' جب ایک اور سیاہ فام نے اس کے بالکل سامنے ٹیکسی روکی۔

''کہاں جانا ہے؟'' اس کے پوچھنے پر وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا اور ساری انگریزی [illegible] گھٹنوں کے بل جا گری۔ احمقوں کی طرح نفی میں سر ہلانے لگا۔ ڈرائیور نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔ اس کا سر اور زور زور سے ہلنے لگا۔ وہ سیاہ فام غور سے اسے دیکھنے لگا جس پر سرمد مزید گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔

''او [illegible] یار!'' اس کے منہ سے یار کا لفظ سن کر وہ جھٹکا کھا کے پیچھے مڑا۔ جامنی [illegible] سے [illegible] بڑے بڑے سفید دانت نکالے' وہ شاید مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

[illegible] اردو [illegible]؟'' اس نے اپنی ہی زبان میں پوچھا۔

[illegible] بول نہیں سکتا۔ دراصل میں دو پاکی اور ایک انڈین کے ساتھ روم شیئر [illegible] ہوں۔ [illegible] سرمد کی [illegible] میں اس کا ''یار'' کہنا آ گیا۔ اگرچہ صرف [illegible] سن لینے کے بعد کسی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لینا' سراسر بے وقوفی ہے مگر اسے کسی کا ہاتھ تو تھامنا تھا اس لیے اللہ کا نام لے کر' اس کی ییلو کیب میں بیٹھ گیا۔ دل میں صرف یہ امید تھی کہ اس کا واسطہ دو پاکستانیوں سے ہے' شاید ان کے توسط سے......ملازمت کا کچھ بندوبست ہو جائے۔ سیاہ فام نے اپنا تعارف مائیک کہہ کے کرایا تھا۔ مائیک سے اس نے التجا کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ اپنے پاکستانی دوستوں سے اس کی ملاقات کرا دے۔

''اس وقت تو مشکل ہے' سب اپنے اپنے کام دھندے پر ہیں۔ انوا تو اوور ٹائم لگاتا ہے' تم رات کو مل لینا۔ ایڈریس مجھ سے لے لو۔''

''اچھا پھر..... ایسا کرو مجھے کسی ایسی جگہ اتار دو جہاں کم سے کم کرایہ دینا پڑے۔''

''یوں کیوں نہیں کرتے کہ میرے ہی فلیٹ میں چلے چلو' روم اس وقت خالی ہوتا ہے۔ تم چند گھنٹے آرام کرلو۔ سعید سب سے پہلے آتا ہے' میں اس کے لیے چٹ چھوڑ جاؤں گا کہ وہ تم سے بات کرلے۔'' سرمد نے سر ہلا دیا مگر جیسے ہی ٹیکسی ایک گندی تنگ اسٹریٹ میں مڑی اس کا دل ڈوب گیا۔ دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں تھیں جن میں کھڑکیاں ہی کھڑکیاں تھیں۔ ہر طرف سیاہ فام چہرے نظر آرہے تھے۔ وہ اسے لے کر تنگ سی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''ادھر لفٹ ہے مگر سالوں سے بند پڑی ہے۔'' تین منزلہ بلڈنگ کے ٹاپ فلور پر وہ دو کمروں کا مختصر سا فلیٹ تھا جس کے ایک ایک کمرے میں چار چار لوگ کرایہ شیئر کرتے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی سامنے کی دیوار پر آویزاں قل اسے اندر تک پرسکون کر گئے۔ اسے یقین آگیا کہ ضرور یہاں دو پاکستانی مسلمان رہتے ہوں گے۔ اس نے بے فکری سے نیند پوری کی۔

مائیک میزبانی کے فرائض نبھاتے ہوئے اپنے خرچ پر مہمان کو کافی کے ساتھ بسکٹ اور فش سینڈوچز بھی دے گیا تھا۔ سعید اور پھر انور سے ملنے کے بعد اس کا رہا سہا خوف بھی دور ہوگیا۔ دونوں نے اس کی مدد کا وعدہ تو کیا لیکن کمرے میں مزید کسی فرد کی گنجائش نہ نکالنے کا بھی صاف صاف ذکر کردیا۔

''یار! کام یہاں بہت ہے' محنتی بندے کے لیے تو بہت ہی زیادہ۔ کل صبح ہی کسی نہ کسی اسٹور پر لگوا دوں گا۔ مجھے یہاں آئے آٹھ سال ہوگئے ہیں' ڈالر اتنے نہیں بنائے لیکن واقفیت بہت بنائی ہے' البتہ رہنے کا مسئلہ ہے۔ ہمیں کیا تکلیف ہے اگر چار کے بجائے پانچ لوگ کرایہ شیئر کریں' اپنی تو بچت ہے لیکن تم خود ہی دیکھو' کیا کمرے میں چار لوگوں کی بھی گنجائش ہے؟ آنند نائٹ ڈیوٹی دیتا ہے۔ صبح صبح آتا ہے جب ہم لوگ کام پر نکل رہے ہوتے ہیں اور ہمارے آنے سے پہلے نکل جاتا ہے' اس لیے گزارا ہو رہا ہے۔ اب یا تو تم بھی کوئی نائٹ ڈیوٹی ڈھونڈ لو یا پھر کوئی اور ٹھکانا۔ اتنا بتا دوں نائٹ ڈیوٹی میں آمدنی ذرا نہیں' خاص طور پر کسی اسٹور میں۔''

مائیک نے اسے پارکنگ میں کھڑی اپنی ٹیکسی میں سونے کی اجازت دے دی اور ایک فالتو کمبل بھی۔ سعید درست کہہ رہا تھا' دوسرے ہی روز اسے ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور

کے گروسری کے شعبے میں سیلز مین کی جاب مل گئی۔ کام آسان تھا' بس مسلسل کئی کئی گھنٹے کھڑے ہو کے ڈیوٹی دینا پڑتی تھی۔ فی الحال نیویارک میں ان تینوں کے علاوہ اس کا کوئی شناسا نہیں تھا' اس لیے ٹیکسی میں راتیں بسر کرلینا گوارا کرلیا لیکن دوسرے ٹھکانے کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ چند دنوں بعد جب وہ شہر سے کچھ کچھ واقف ہوگیا تو اس نے مائیک سے رات کو اس کی یلو کیب چلانے کی اجازت مانگی۔ اسے حصہ دینے کی پیش کش بھی کی لیکن مائیک نے کمال مہربانی سے کسی قسم کی رقم کے عوض کے بغیر اسے ٹیکسی استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

تین مہینے کے مختصر سے عرصے میں اس نے چار جگہ سیلز مین کی نوکری کی۔ شام سے لے کر رات ڈیڑھ دو بجے تک وہ آرام کرتا پھر ایئرپورٹ تک اپنا ''بیڈ روم'' ڈرائیو کرکے لے جاتا۔ صبح تک بعض اوقات دو تین سواریاں مل جاتیں۔ گزارا ہو ہی رہا تھا لیکن ابا کا ہر خط اسے بے چین کر دیتا اور وہ ''گزارے'' کو ناکافی سمجھنے پر مجبور ہو جاتا۔ قریب تھا کہ وہ مایوس ہو کے اپنے امریکا آنے کے فیصلے کو بے وقوفی قرار دے دیتا کہ اچانک اس کی ملاقات شمسی صاحب سے ہوئی۔ شمسی صاحب اس اسٹور کے مالک تھے جہاں آج کل وہ کیشیئر تھا۔ وہ اس کی محنت اور سب سے بڑھ کے شرافت کے قائل ہوگئے۔ یہ اسٹور ان کا واحد اسٹور نہیں تھا بلکہ صرف نیویارک میں ہی ان کے دو اور اسٹور' ایک پیٹرول پمپ اور ایک درمیانے درجے کا ہوٹل بھی تھا۔ ان کا ہوٹل آج کل خسارے میں جا رہا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے ہائی کوالی فائڈ منیجر بھی بدل کر دیکھے مگر فائدہ نہ ہوا۔ پتا نہیں کیوں انہیں لگا کہ سرمد ان کے ہوٹل کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

جیسے ہی سرمد کو موقع ملا خود کو ثابت کرنے کا' اس نے اپنی صلاحیتوں کو آزمانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ ہوٹل جس علاقے میں تھا وہاں انڈین اور پاکستانیوں کی خاصی تعداد بستی تھی جبکہ منیجر امریکن تھا اور دیگر عملہ بھی زیادہ تر مقامی ہی تھا۔ سرمد نے ایسا ماحول پیدا کیا جس میں ایک ایشیائی شخص کے لیے خاصی کشش تھی۔ سرمد نے انٹریر ڈیکوریشن میں ایسی تبدیلیاں پیدا کیں جن سے اضافی خرچہ بھی نہ ہوا اور مشرق کے سارے رنگ واضح ہوگئے۔ لوک موسیقی کی دھنیں بجنے لگیں۔ ڈائننگ ہال میں مشرقی برتنوں کا استعمال شروع کیا۔ رہائشی کمروں میں بھی یہی اہتمام کیا گیا۔ چند ہی مہینوں میں خاصا فرق پڑا اور وہ ہوٹل نیویارک آنے والے پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کا دل پسند

UrduPhoto.com

مقام ہو گیا۔

شمسی صاحب نے اسے منیجر بنا دیا۔ وہ اور دل لگا کے محنت کرنے لگا۔ اب اس نے ٹیکسی میں سونا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اسی ہوٹل کے ایک آرام دہ کمرے میں مقیم تھا۔ اب اس نے کافی میں ڈبو کر ڈبل روٹی کھانا بھی چھوڑ دی۔ اس کے لیے اسپیشل ٹرے سج کے ہوٹل کے کچن سے آتی۔ اس نے لمبے لمبے بینک ڈرافٹ لاہور بھیجنے شروع کر دیئے' وہ مطمئن تھا۔ جس رفتار سے وہ ترقی کر رہا تھا شاید اگلے ہی سال قرضہ بھی اتر جاتا اور اس سے اگلے سال ناظمہ کی شادی دھوم دھام سے ہو جاتی اور اس سے اگلے سال منصور کا داخلہ میڈیکل کالج میں' اس کے بعد اماں ابا کے ساتھ حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا پھر اماں کی پسند کی گئی اچھی لڑکی سے وہ شادی کرے گا اور بس کچھ سال...... کچھ سال اور دن رات محنت کر کے اتنی رقم جمع کر لے گا کہ پاکستان میں مستقل سیٹ ہونے کو ایک اچھا سا گھر بنا سکے۔ ایک کاروبار شروع کر سکے۔

وہ آنے والے برسوں کی پلاننگ کر کے شدید محنت کر رہا تھا' تب ہی شمسی صاحب کی بات نے اسے بوکھلا کے رکھ دیا۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کلثوم شمسی سے اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔

"کلثوم طلاق یافتہ ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلے شوہر سے اس کی کوئی اولاد نہیں۔ دونوں کا ساتھ چند مہینے ہی رہا۔ وہ کم بخت اس کی دولت کے چکر میں تھا اسی لیے اس معصوم کو پھنسا کے...... خیر کلثوم تب کم عمر تھی میں نے جلد ہی اس فریبی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ پھر کئی سال کلثوم نے دوبارہ شادی کی حامی نہیں بھری لیکن میں اسے یوں دنیا کے جنگل میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ عرصے بعد میں نے کسی شخص پر بھروسا کیا اور وہ تم ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم کلثوم کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہو گے۔"

"لیکن سر! میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مطلب ہے کہ ابھی مجھ پر بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ میں بالکل خالی ہاتھ یہاں آیا تھا بلکہ اپنے مفلس باپ کو اور بھی خالی ہاتھ کر آیا تھا۔ ابھی تک تو میں بہ مشکل قرضہ اور سود ہی چکا پایا ہوں۔ میرے گھر کے حالات تو جوں کے توں ہیں۔ بہن کی شادی کرنا ہے' میرا ایک چھوٹا بھائی اور بہن زیر تعلیم ہیں۔ میری ماں کا برسوں پرانا خواب اپنی چھت کا ہونا ہے' مجھے انہیں کرائے کے مکان سے اپنے مکان تک لانا ہے' مجھے......" وہ کہتا چلا جا رہا تھا کہ شمسی صاحب نے ہاتھ

اٹھا کے روک دیا۔

"یہ تو بہت لمبا پروگرام ہے اور اگر تم سوچ رہے ہو کہ یہ سب کرنے کے بعد تم اپنا گھر بساؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ تم بوڑھے ہو جاؤ گے سرمد! لیکن ذمہ داریوں کا یہ بوجھ کم نہ ہو گا۔ زندگی پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ تمہارے خاندان کا' تم اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹتے ہوئے بھی یہ فرض ادا کر سکتے ہو۔"

"لیکن دوہری ذمہ داریاں۔" اس نے ایک اور عذر پیش کرنا چاہا لیکن شمسی صاحب نے ایک بار پھر مداخلت کی۔

"کیسی ذمہ داری؟ کلثوم سے شادی کے بعد تمہارا بوجھ بڑھے گا نہیں بلکہ کم ہو گا۔ ظاہر ہے ظہور احمد شمسی کا داماد ایسا ویسا شخص تو ہو گا نہیں' تم صرف اس ہوٹل کے منیجر نہیں بلکہ مالک ہو گے۔ یہاں نہیں میرے ولا میں رہو گے۔ جو کام تم کئی سالوں میں کرو گے وہ چند مہینوں میں ہو جائے گا اور ذرا سوچو کہ اگر کسی وجہ سے یہ ملازمت بھی نہ رہی تو کیا پھر سے راتوں کو ٹیکسیاں چلاؤ گے؟"

شمسی صاحب نے اسے لالچ میں گھیرنے کے ساتھ ساتھ ڈراوا بھی دیا۔ وہ خاموش ہو گیا اور چند ہی دنوں بعد کلثوم احمد شمسی کا شوہر بن گیا۔

کلثوم جو کم کے نام سے مشہور تھی جس کا باپ پاکستانی تھا اور ماں کوئی غریب امریکن سیاہ فام عورت تھی جس نے شادی کے چھٹے مہینے بعد ہی طلاق لے لی تھی اور پھر دو دن کی کلثوم کو اس کے باپ کے پاس چھوڑ کے خود اپنے بوائے فرینڈ کے فلیٹ پر واپس چلی گئی تھی' تب کراچی سے نئے نئے آنے والے ظہور احمد شمسی کے پاس اتنا روپیہ نہ تھا ورنہ شاید وہ ایسا بگڑا شوہر کبھی نہ چھوڑتی۔ پھر ظہور احمد دن بدن ترقی کرتا شمسی صاحب بن گیا اور دھان پان سی' موٹے نقوش والی کلثوم بھی جوان ہو گئی۔ حالات بدلتے ہی اس کی شرابی بیوی نشے میں دھت ایک بار پھر اس کے پاس آئی تھی لیکن اس نے اپنی بیٹی کو اس کے سائے سے بھی محفوظ رکھنے کی خاطر اس کا منہ سختی سے بند کر دیا۔ وہ بھی چند سو ڈالر ماہوار کے عوض خاموش ہو کے بیٹھ گئی۔ اس کی شراب کا خرچہ نکل آیا' اس نے خوب پی اور ایک دن اسی عالم میں مر گئی۔

شمسی صاحب نے بیٹی پر شدید سختی رکھی' وہ یہاں کے ماحول سے بھی خوف زدہ تھے اور کلثوم کی رگوں میں دوڑتے اس کی بدقماش ماں کے خون سے بھی خائف تھے لیکن کاروبار کی مصروفیات انہیں بیٹی کی طرف مکمل توجہ رکھنے سے روکتی تھیں۔ ابھی وہ سولہ

UrduPhoto.com

Scanned by Muskaan ... com/forums

سال کی ہی ہوئی تھی کہ ایک بنگلہ دیشی مسلمان عنایت اللہ کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔

شمسی صاحب اچھی طرح جانتے تھے ان کی بیٹی معمولی شکل وصورت کی ہے' یہ گنجا ہونہ ہو بیٹی کے ذریعے باپ کی دولت پر قبضہ جمانا چاہتا ہے لیکن وہ بیٹی کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ اس خوف سے اس کی شادی تو کردی لیکن ساتھ ساتھ داماد کی انکوائری بھی جاری رکھی اور جیسے ہی ڈھاکہ میں موجود اس کی دو بیویوں اور سات بچوں کی خبر ملی بیٹی کو مطلع کیا اور پہلی فرصت میں طلاق دلوادی۔

بکم یعنی کلثوم اس واقعے کے بعد حد درجہ دل برداشتہ ہوگئی۔ اس نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا اور شادی کا تجربہ دہرانے سے صاف انکار کردیا۔ کئی سال تک شمسی صاحب نے بظاہر اسے اس کے حال پر چھوڑے رکھا لیکن اصل میں وہ اندر ہی اندر اس کا گھر بس جانے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا سب کچھ ان کی بیٹی کو ہی ملے گا اور ظاہر ہے کہ جو بھی شخص ان کا داماد بنے گا' یہ کاروبار اسے ہی سنبھالنا ہے' پھر کیوں نہ وہ خود دیکھ بھال کے ایسا شریف' محنتی' قابل بھروسا اور مجبور شخص تلاش کریں جو ان کی بیٹی کے ساتھ ساتھ ان کا بھی سہارا بنے۔ داماد کا مجبور اور شریف ہونا ان کی اولین ترجیح تھا۔ سرمد میں انہیں یہ ساری خصوصیات نظر آئیں تو تھوڑے سے پس وپیش کے بعد بکم بھی مان گئی۔

شمی صاحب نے سرمد کو اپنی فرزندی میں لینے کا ایک شرائط نامہ اس کے سامنے پیش کیا۔

سب سے پہلے تو یہ کہ سرمد ان کے جیتے جی ان ہی کے مکان میں ان کی آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ وہ تمام مراعات کا حق دار بھی ہوگا اور اسے ان کا داماد ہونے کا پروٹوکول بھی ملے گا مگر وہ بدستور ایک تن خواہ دار کی حیثیت سے کام کرے گا۔

اس کا پاسپورٹ ان کے پاس رہے گا' وہ نیویارک سے باہر جانے کے لیے اپنے سسر کی اجازت کا پابند ہوگا۔

وہ ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کرے گا۔

ہر ماہ اس کے نام سے پاکستان ایک معقول رقم بھیج دی جائے گی۔

اس نے سر جھکا کے یہ ساری شرائط مان لیں۔ تن خواہ ایک طرح کا جیب خرچ ہی تھا کیونکہ اس کی رہائش' کھانا پینا' پہننا اوڑھنا سب ''فری'' تھا۔ پاکستان بھی اچھی خاصی رقم جانے لگی تھی' ہاں البتہ پاسپورٹ ان کے حوالے کرتے ہوئے وہ ذرا ہچکچایا تھا لیکن

UrduPhoto.com

پھر یہ سوچ کے دل کو تسلی دے لی کہ شمسی صاحب بیٹی کے حوالے سے حساس ہیں۔ پہلے تلخ تجربے نے انہیں محتاط کردیا ہے لیکن جلد ہی وہ مجھ پر بھروسہ کرنے لگ جائیں گے۔ ویسے بھی اگر میں یہ شادی نہ بھی کرتا تو کون سا ابھی پاکستان جاسکتا تھا۔''

پہلے اس نے یہی سوچا تھا کہ اپنی شادی کو گھر والوں سے خفیہ رکھے' کیا پتا یہ بیل منڈھے ہی نہ چڑھے اور کلثوم جلد ہی اسے فارغ کردے لیکن پھر وہ زیادہ دیر تک اس ارادے پر قائم نہ رہ سکا اور اس نے پاکستان اپنی شادی کی اطلاع تصاویر کے ذریعے بھجوا دی۔ وہی ہوا جس کا اسے خدشہ تھا۔ اماں ابا نے جی بھر کے صلواتیں سنائیں۔

''تجھے کمانے بھیجا تھا یا بیاہ رچانے۔ نالائق کیسے کیسے جتن کر کے ٹکٹ کا انتظام کیا اور تو وہاں گھر داماد بن کے بیٹھ گیا۔ ارے پالا پوسا ہم نے اور کمائی کھائیں دوسرے۔'' ابا کی دہائی کے جواب میں اس نے بہ مشکل وضاحت پیش کی۔

''ابا! میں گھر داماد ضرور ہوں مگر وہ میری کمائی کے محتاج نہیں۔ الٹا میری یہ ملازمت ان کی عطا کردہ ہے۔ یہ سارے عیش' یہ ڈالرز.....''

''تو یوں کہہ کہ تو نے خود کو بیچ دیا۔'' ابا کچھ سننے پر تیار نہ تھے۔ وہ بے بسی سے ریسیور ہاتھ میں لیے ان کی جھڑکیاں سنتا رہا۔

''اس سے تو ہم فاقوں مرتے اچھے تھے۔ بڑھاپے کا سہارا گروی ہوگیا۔ گلی محلے میں لوگ طعنے دیں گے۔ بھٹی صاحب کا بیٹا گھر داماد ہوگیا ہے۔ سسر کا کتا بن گیا ہے۔''

''تو نے تو میرا کلیجا ہی نوچ لیا سرمد! تجھے یہی ڈائن ملی تھی میری بہو بنانے کے لیے۔'' اماں کو الگ ہی شکایت تھی۔ ''کتنے ارمان تھے میرے کہ اپنے لاڈلے کے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی۔ کتنی لڑکیاں میری نظر میں ہیں۔ پر تجھے تو لگتا ہے ماں پر اعتبار ہی نہیں تھا۔ تیرا خیال ہوگا ماں کھانے نوچنے کو ہی بیٹھی رہے گی۔ تجھے بڈھا کردے گی اس لیے خود ہی ''چن چاڑ'' (چاند چڑھا) لوں بے ہدایتا! اتنا ابال اٹھ رہا تھا تو ذرا دیکھ بھال کے لڑکی چنتا۔ اس سے اچھی بلکہ ہزار درجے اچھی تو برادری میں ہیں۔ کتنے لوگوں کی نظر تجھ پر تھی۔ پر تو نے تو پتا نہیں کیا دیکھا۔ نہ منہ نہ متھا جن پہاڑوں لتھا۔''

''اماں! وہ دل کی اچھی ہے۔'' وہ تسلی دینے کو بولا حالانکہ اس کی جانے بلا کہ کلثوم شمسی کا دل برا ہے کہ بھلا۔

''دل کا اچار ڈالوں گی' دل تو وہاں امریکا لیے بیٹھی ہے۔ یہاں تو یہ اندھیری اندھیری تصویریں آئی ہیں۔ لوگوں کو تو یہی دکھانی ہیں۔ کوئی دل تو چیر کے نہیں دکھانا۔ سو

سو باتیں کریں گے برادری والے۔''
ناظمہ اور فاطمہ کو بھی یہی گلے تھے۔
''یہ کیسی بھابی ہے؟ ہم تو خوش ہوئے تھے میم بھابی آئے گی۔ بھائی کے گورے گورے، گلابی گلابی سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والے بچے ہوں گے۔ یہ تو چک جھمرہ کی رہنے والی لگتی ہے۔ کسی اینٹوں کے بھٹے پر مزدوری کرنے والی۔ آپ کہہ رہے ہیں مسلمان ہے، پاکستانی ہے لیکن یہ تو ویسٹ انڈیز کی لگ رہی ہے۔''
منصور نے مشورہ دیا۔
''چلیں بھائی جان! جو ہونا تھا ہو گیا، بس مال بٹوریں اور دفع کریں۔ جتنی جلدی سمیٹ سکیں، سمیٹ لیں۔ اماں ابا تو بھولے ہیں۔ میں سب سمجھتا ہوں، کبھی کبھی شارٹ کٹ استعمال کرنا پڑ جاتا ہے، کوئی بات نہیں...... بس کوشش کریں کم سے کم وقت میں اس کا سب کچھ اپنے نام کروالیں۔''
اسے ہنسی آ گئی۔ منصور...... اس کا چھوٹا بھائی...... دو ڈھائی سال میں ہی کتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اسے مشورے دے رہا تھا۔ عقل مند بننے کی کوشش کر رہا ہے...... یہ نہیں جانتا ہاتھ بندھے ہوں تو عقل بھی کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ یہ امریکہ ہے، یہاں کوئی اتنا احمق یا الو کا پٹھا نہیں بیٹھا جسے وہ لوٹ لے۔ وہ لٹنے آیا ہے لوٹنے نہیں اور پھر جب پیسہ بھی ہو تو ظاہر ہے کون ہے جو کسی اختیار والے اور پیسے والے کو بدھو بنا سکے۔ وہ یہ سب اسے بتا نہیں سکا۔ یوں بھی اب اسے زیادہ بولنے کی عادت نہیں رہی تھی۔
کم، زیادہ بولنے والوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ تو شاید اسے بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ سرمد بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن...... وہ اس کی طرح اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا۔ حد سے زیادہ سنجیدہ مزاجی کے ساتھ ساتھ چڑچڑا پن بھی کم کی عادت میں شامل تھا۔ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ مشتعل ہو جاتی تھی۔ سرمد کو اس کے سامنے خاصا محتاط ہو کے رہنا پڑتا۔ شروع دنوں میں اس نے اپنی محبت اور توجہ کے بل بوتے پر اسے رام کرنے کی بڑی کوشش کی حالانکہ یہ اس کے لیے خاصا مشکل تھا، وہ کوئی گلفام نہیں تھا لیکن ایسا گیا گزرا بھی نہ تھا۔ اٹھائیس سال کا بھرپور جوان تھا۔ اونچا لمبا، گندمی رنگت، سیاہ آنکھوں اور سیاہ سلکی بالوں والا...... اس کی پرکشش پرسنالٹی اور مشرقی مقناطیسیت کا شکار ہو کے کئی لڑکیاں اس پر مرتی تھیں لیکن شمسی صاحب کے جاسوسوں کے خوف سے وہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ عمر کے تقاضے اسے رنگینی

کی طرف مائل کرتے مگر وہ دل مسوس کر خود کو کلثوم کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا جس میں کسی بھی مرد کے لیے ذرہ برابر کشش نہیں تھی لیکن اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کا رویہ سرد اور انداز لیا دیا ہی رہا۔ سرمد کو سوچ سوچ کر حیرت ہوتی۔ وہ بنگالی عنایت اللہ کیسے اس پتھر کے دل میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
سرمد سوچتا...... احساسِ محرومی کی شکار اس عورت کو اگر محبت اور توجہ ملے تو شاید زندگی کچھ سہل ہو جائے، اس کی بھی اور میری بھی۔ اس نے کئی بار فون پر ماں اور بہن سے دبے دبے لفظوں میں درخواست کی کہ وہ اس کی بیوی کے لیے کبھی کبھار پاکستانی کپڑے اور زیور وغیرہ تحفتاً بھجوا دیا کریں لیکن جواباً اماں نے مذاق اڑایا۔
''لو...... اب وہ محمد علی کلے غرارہ پہنے گی؟ آئے ہائے اس پر زیور لادنے سے تو بہتر ہے کسی بن مانس کو نتھ ٹیکا لگا دو۔'' وہ چپ کر جاتا۔
وقت کچھ اور گزر گیا تھا۔ اپنی شادی کے آٹھ ماہ بعد ہی اس نے ناظمہ کی شادی کروا دی تھی۔ اسے بہن کی شادی پر جانے کی اجازت نہ ملی مگر اسے افسوس نہ ہوا۔ اسے اعتراف تھا کہ محض اپنے بل بوتے پر اتنی شان و شوکت سے بہن کبھی نہیں بیاہ سکتا تھا۔ شمسی صاحب کی عنایت کی بدولت ہی اس نے پچھلے چند مہینوں میں پاکستان میں پیسوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔
اب اسے کم سے محبت جتانے میں زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی۔ جیسے ہی اس کے دل نے بغیر منافقت کے اسے چاہنا شروع کیا، وہ بھی نرم پڑنے لگی۔ کیا تھی وہ...... محض ایک عورت...... اور عورت کو نرم پڑنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے البتہ اس کے اندر کی خودسری بہ دستور قائم تھی۔ فرق صرف یہ پڑا تھا کہ اس نے اب اسے اپنا شوہر تسلیم کر لیا تھا اور احسان مندی کے جذبے سے مغلوب سرمد کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ شادی کے تیسرے سال اسے اسامہ کے ذریعے بیٹے کی خوشی ملی۔ اسامہ ہو بہو سرمد کی تصویر تھا۔ ہاں البتہ اس کا رنگ باپ کی بہ نسبت زیادہ صاف تھا۔ اس نے اس کی ڈھیروں تصاویر پاکستان بھجوائیں۔
''خدا کا شکر ہے، میرا پوتا ماں پر نہیں پڑا۔'' اماں نے فوراً فون کر کے مبارک باد کچھ اس انداز میں دی۔
''اور بس...... اب مزید اولاد کی ضرورت نہیں...... یہ ڈائن اپنے ہی زنجیروں میں کس کے تجھے باندھنا چاہتی ہے اور ذرا سوچ...... خدانخواستہ اگر اب کی بار بیٹی ہو گئی اور

UrduPhoto.com

وہ بھی ماں کی شکل کی تو تو کیا کرے گا۔ کیا اپنے سسر کی طرح کوئی گھر داماد ڈھونڈے گا۔ بس اب خاندان میں یہ ریت ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو ہی کافی ہے۔"

وہ ہمیشہ کی طرح اسے گھر داماد ہونے کا طعنہ دینا نہیں بھولی تھیں اور وہ بھی ہمیشہ کی طرح جز بز ہو کے رہ گیا۔

* * *

منصور نے ایف ایس سی میں واجبی سے نمبر لیے۔ سرمد کو خاصی مایوسی ہوئی۔ اس نے بھائی کو دوبارہ سے امتحان دینے پر رضامند کرنا چاہا لیکن وہ نہ مانا۔

"چھوڑیں بھائی جان! کیا رکھا ہے ڈاکٹری میں' اتنے سال کی مغز ماری کے بعد بھی نری خواری' گلیوں میں رُلتے پھر رہے ہیں ڈاکٹر۔"

"تو پھر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو' انجینئرنگ لائن کی طرف آ جاؤ یا پھر کمپیوٹر کی فیلڈ میں خاصا اسکوپ ہے۔"

"صاف بات یہ ہے بھائی جان کہ یہ سب میرے بس سے باہر ہے۔ مجھے پاکستان اور یہاں ملنے والی ٹکے ٹکے کی ملازمتوں سے ذرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ بس آپ مجھے اپنے پاس بلوا لیں۔ اتنے سال ہو گئے ہیں آپ کو اور آپ کے تو سسر کی بھی بڑی پہنچ ہے' ان سے کہیں مجھے اسپانسر کر لیں۔" اس کی فرمائش پر سرمد ہکا بکا رہ گیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو منصور! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے جو تم مشقت کی اس بھٹی میں خود کو جھونکنا چاہتے ہو۔ میرے بھائی یہ فریب نظر کے سوا اور کچھ نہیں' سراسر سراب ہے۔ امریکا کی چکا چوند پر مت جاؤ۔ تم اتنے لاڈ پیار میں پلے ہو یہ سخت زندگی تمہارے بس سے باہر ہے۔ یاد نہیں میرا کیا حال ہوا تھا۔ کیا سب بھول گئے جو میں نے بتایا تھا کہ کس طرح ایک وقت کے کھانے پر چوبیس گھنٹے گزارتا تھا۔ کیسے دو گھنٹے کی نیند پوری کرنے کے لیے کسی کی ٹیکسی میں دوہرا ہو کے لیٹتا تھا۔" وہ کرب سے بولا۔

"بھائی جان! آپ کی بات اور تھی' جب آپ وہاں گئے کوئی آپ کا جاننے والا نہیں تھا لیکن میرا تو اپنا سگا بھائی وہاں سیٹل ہے یا آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے صاف انکار کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے یہی بات ہو گی۔ ہاں ظاہر ہے جو گھر آپ کا اپنا نہیں وہاں آپ بھائی کو کیسے رکھ سکتے ہیں۔ آپ تو خود گھر داماد ہیں۔"

ایک بار پھر اس طعنے نے اسے کھولا کے رکھ دیا لیکن وہ غصے کا اظہار کرنا بھول چکا تھا۔ اس نے گزرے سالوں میں صرف ایک فن پر عبور حاصل کیا تھا اور وہ تھا صبر کے

گھونٹ پینا اور دل میں اٹھتے جوش کے ابال کو ٹھنڈا کرنا۔

"یہاں رہ کے کیا کروں؟ ڈگریاں لے کر جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں لوگ۔ آپ کیا جانیں' ادھر حالات کتنے خراب ہیں۔ سرکاری ملازمتیں رشوت دے کے ملتی ہیں اور تنخواہ...... اس کا تو پوچھیں ہی مت۔ پرائیویٹ ادارے والے ویسے بھی تجربہ اور بیرون ملک کی کسی یونی ورسٹی کی ڈگری مانگتے ہیں۔ یہاں تو وہی رہ سکتا ہے جس کے پاس کم از کم اتنا سرمایہ ہو کہ وہ بڑے پیمانے پر کوئی کاروبار شروع کر سکے۔"

"تو......" اس نے گہرا سانس لیا۔ "تو پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا کاروبار کرنا چاہتے ہو تم؟"

"پنڈورا میں میرے دوست کاشف کے ڈیڈی کی چلتی ہوئی لیدر گارمنٹس کی دکان بک رہی ہے۔ اگر اٹھارہ بیس لاکھ ہوں تو میں مال سمیت دکان خرید لوں۔"

"اٹھارہ بیس لاکھ......؟ اتنی رقم۔" وہ بھائی کی طرف سے لاکھ دو لاکھ کی فرمائش کی توقع کیے بیٹھا تھا اور اس نے اکٹھے ہی بیس لاکھ مانگ لیے۔

"ہاں تو پنڈورا میں دکان خریدنا کیا آسان بات ہے اور پھر اس دکان کی ساکھ بہت اچھی ہے بڑا نام ہے مارکیٹ میں۔ آپ جتنا بھیج سکتے ہیں بھیج دیں' باقی میں قرضہ لے لوں گا۔" اس کے لہجے میں قطعیت جھلک رہی تھی۔

سرمد نے چپ چاپ آٹھ لاکھ روپیہ جو اس نے اپنی تنخواہ میں سے بچایا تھا بھیج دیا۔ باقی منصور نے سود پر قرضہ لے لیا اور ظاہر ہے یہ قرضہ بھی اسے ہی اتارنا تھا۔ ابا نے صاف صاف کہہ دیا۔

"تم جو رقم ماہانہ خرچے کے لیے دیتے ہو اس سے تو ہم مشکل سے گزارا کرتے ہیں' اس کے قرضے کا سود کہاں سے دیں۔ تم نے ہی مشورہ دیا تھا' تم نے ہی راہ دکھائی تھی' تم ہی بھگتو۔"

"میں نے؟ میں نے کب کہا' وہ تو خود تلا بیٹھا تھا۔ سب سوچ سمجھ کے ہی اس نے مجھ سے بات کی تھی اور...... اور پچیس ہزار میں آپ کا گزارا کیسے نہیں ہوتا۔ اب تو منصور بھی کمانے لگا ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ لوگ بہت کچھ بچا لیتے ہوں گے۔" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"بہت اچھے؟ کیا منصور اور کیا اس کی کمائی؟ دو تین مہینے تو ہوئے ہیں اسے دکان سنبھالے اور تم ابھی سے ہاتھ کھینچنے کی بات کر رہے ہو۔ حساب کتاب مانگ رہے ہو تو پھر

UrduPhoto.com

سنو...... اب میں اس پندرہ سو کرائے والے مکان میں تو نہیں رہتا' تمہارا ہی مشورہ تھا کہ فاطمہ کا اچھی جگہ رشتہ کرانے کے لیے اچھے علاقے میں رہائش اختیار کریں۔ سمن آباد کی اس کوٹھی کا کرایہ ہی سات ہزار ہے۔ گھر میں دو دو ٹی وی چلتے ہیں' فریج ہیں اور اب اس سال ایئر کنڈیشنر بھی لگ گیا ہے۔ اسی حساب سے بجلی کا بل آتا ہے۔ گیزر لگوا لینے کے بعد گیس کا بل بھی بڑھ گیا ہے۔ فاطمہ اب کالج جانے لگی ہے' اس کی فیس' ویگن کا کرایہ...... کچن کے اخراجات...... مجھ بیمار کی دوا دارو...... مہمان داری...... پچیس ہزار ایسے اڑتے ہیں کہ پتا ہی نہیں چلتا۔''

وہ ہمیشہ کی طرح چپ کر گیا۔ شمسی صاحب سے دبے الفاظ میں خرچہ بڑھانے کی بات کی۔ پاکستان میں دن بدن بڑھتی مہنگائی کا رونا رویا۔ انہوں نے بغیر کسی اعتراض کے نہ صرف پاکستان بھیجے جانے والے ڈرافٹ میں دس ہزار کا اضافہ کر دیا بلکہ اس کی تنخواہ بھی دگنی کر دی۔ وہ ممنون ہو گیا حالاں کہ وہ اس سے کہیں زیادہ کا مستحق تھا۔

شمسی صاحب اس سے جتنی محنت لے رہے تھے وہ کسی ایک بندے کا کام نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کی کم رو اور بدمزاج بیٹی کو بھی خوش دلی سے بھگت رہا تھا۔

یہ احسان کیا کم تھا لیکن وہ الٹا ان کا احسان مند ہو جاتا تھا۔ بے وفائی اس کے خمیر میں نہ تھی اور احسان فراموشی اس کے ضمیر کو گوارا [illegible] سو وہ یوں ہی کولہو کا بیل بنا رہا۔ کلثوم کو خوش اور شمسی صاحب کو مطمئن کرنے کے لیے بے دام کا غلام بننے کو بھی تیار تھا۔ دوسری طرف خود پر لگے گھر داماد کے لیبل سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے پاکستان بھیجنے والی رقم میں اپنی جانب سے بھی اضافہ شروع کر دیا۔

اس کی جیب عموماً خالی ہوتی۔ اگرچہ وہ ایک بڑے ولا میں رہتا تھا' عمدہ کھانے کھاتا تھا' عالی شان آفس میں بیٹھتا تھا' لمبی سی گاڑی میں سفر کرتا تھا لیکن اس کی جیب خالی ہوتی تھی اور وہ یہ بات کسی پر ظاہر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے ظاہر نہ کرنے کے باوجود نہ جانے کس طرح رکم کو اندازہ ہو گیا شادی کے اتنے سالوں بعد اچانک اس نے سرمد کے لیے ذاتی شاپنگ کرنا شروع کر دی۔ عرصے سے اس نے کپڑے نہیں خریدے تھے۔ اس کے پاس رقم بھی نہ ہوتی تھی۔ رکم نے اس کے لیے شوز' ٹائی' شرٹس' ٹراؤزرز کا ڈھیر لگا دیا۔ وہ ممنون ہو گیا...... بلکہ وہ تو تھا ہی ممنون' ممنونیت کا یہ احساس ہر وقت اس کی آنکھوں سے' اس کے لہجے سے چھلکتا رہتا اور

کلثوم یعنی رکم جھنجلا جاتی۔ اسے شروع شروع کے دنوں کی وہ محبت یاد آئی جو کبھی ان آنکھوں اور لہجے سے چھلکتی تھی۔ اسی محبت کی نرماہٹ محسوس کر کے اس نے اپنے پتھر دل کو موم کیا تھا کہ وہ شخص پتھر سے ایک کٹھ پتلی بن گیا۔ سر ہلانے' احکام بجا لانے والی ایک کٹھ پتلی۔

کبھی کبھی اس بے جان کٹھ پتلی میں زندگی کی کوئی رمق پیدا کرنے کے لیے وہ حد سے گزر جاتی' اتنی ترش اور سفاک ہو جاتی کہ وہ سفید پڑ جاتا پھر سرخ لیکن نہ اس کی آنکھیں اٹھتیں نہ لب کھلتے۔ رکم کو سرمد پر غصے کے ساتھ ساتھ ترس آ جاتا۔ اصل شکایت تو اسے اپنے باپ سے تھی جس نے اسے شوہر کے بجائے ایک ملازم تحفتاً دیا تھا۔ پہلے پہل وہ اس غلام کو پا کے مطمئن تھی۔ اپنے حاکمانہ مزاج کی تسکین کرتی رہی لیکن پھر اسامہ نے اس کے اندر کی عورت کو جگا دیا اور عورت جب جاگ جائے تو سب سے پہلے پیار مانگتی ہے۔ اسے بھی پیار چاہیے تھا لیکن اسے مانگنا نہیں آتا تھا جبکہ سرمد...... اسے پیار کرنا تو آتا تھا اور شادی کے اولین دنوں میں [illegible] کرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر رکم کے سرد رویے سے سہم کے خود کو محدود کر لیا۔ اب اسے محبت جتانے کی جسارت کرنا خاصا دشوار لگا کرتا۔

* * *

زندگی اسی ڈھب پر گزر رہی تھی کہ ابا نے اسے منصور کی شادی کی اطلاع دی۔ وہ سخت دل برداشتہ ہو گیا۔

''منصور کی شادی ہو گئی اور ابا آپ اب مجھے بتا رہے ہیں' کیا میں اتنا غیر ہو گیا ہوں؟''

''بیٹا! ہمیں تو خود اب پتا چلا ہے۔ یہ شادی تھوڑی ہی ہے' عشق کا بخار چڑھ گیا تھا۔''

''کیا مطلب؟ آپ اس بارے میں کیا بالکل کچھ نہیں جانتے تھے؟''

''میں تو واقعی لاعلم تھا۔ تمہاری اماں نے اب بتایا ہے کہ اس نے سرسری سا ذکر کیا تھا کہ وہ کسی نرس کو پسند کرتا ہے لیکن ماں کے صاف انکار پر چپ سادھ لی اور یوں چپ چپاتے ہی شادی بھی کر لی۔''

سرمد خاموشی سے سنتا رہا' اسے اماں کے دکھ کا اندازہ ہو رہا تھا۔ دوسرے بیٹے نے بھی من مانی کر کے ان کی آخری امید بھی توڑ دی تھی۔ کتنے ارمان تھے ان کے دل

UrduPhoto.com

میں من پسند بہو لانے کے۔

''آپ کو اس کی بات مان لینا چاہیے تھی۔ تب وہ اس انتہائی قدم کے بارے میں نہ سوچتا۔''

''بتا تو رہا ہوں اس نے مجھ سے ذکر کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ ماں نے جواب دے دیا اور اس نے اپنی کرلی۔ وہ بھی پاگل عورت ہے' ایک بار مجھے بتا دیتی' میں خود ہی نمٹ لیتا منصور سے۔''

''لیکن اماں کو آخر اعتراض کس بات پر تھا۔ اب جو بھی ہے آخر وہ آپ کی بہو ہے۔ اسے قبول کرلیں تاکہ منصور بالکل ہی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''

''سب سے بڑا اعتراض تو یہ کہ وہ غیر مسلم ہے۔ تمہاری ماں بھلا کسی عیسائی بہو پر کیسے مانتی۔ ٹھیک ہے کہ شادی سے پہلے اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اب اس کا نام تمہارے بھائی نے عمرانہ رکھا ہے لیکن ہمارے خاندان کو تو داغ لگ گیا ناں۔''

''منصور نے آخر ایسی حرکت کی کیسے؟''

''کیوں نہ کرتا' تم نے راہ جو کھول دی برخوردار! اس کی ہمت تو بڑھنا ہی تھی۔''

وہ اس الزام کی مار سہہ نہ سکا۔

''ابا جی! آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ سب میں نے اپنے لیے نہیں کیا' صرف اور صرف اپنے خاندان کی خوش حالی کے لیے کیا۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ شمسی صاحب نے مجھے جو ملازمت دی میں کسی بھی طرح اس کا اہل نہ تھا۔ مجھ جیسے تو ایسے ہوٹلوں میں بیرا گیری کرتے یا فرش پر پوچھا لگاتے نظر آتے ہیں' اگر میں ان کی بیٹی سے شادی کرلینے سے معذرت کرلیتا تو وہ مجھے کھڑے کھڑے فارغ کردیتے اور محض سیلز مین کرکے اور پرائی ٹیکسی مانگ تانگ کے چلانے کے بعد میں یہ گھر اس طرح نہیں بھر سکتا تھا' جیسے اب آپ کو نظر آرہا ہے بلکہ اب تک تو شاید میں وہ قرضہ تک نہ اتار پاتا۔''

''ہاں بیٹا! جتا لو تم بھی...... جتنے احسان کیے ہیں وہ سب جتا لو۔ میں زندہ کس لیے ہوں تمہارے احسانوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے ہی تو زندہ ہوں۔'' ان کی آواز میں غصہ بھی تھا اور افسردگی بھی۔ سرمد شرمندہ ہوگیا۔

''خدا کی قسم ابا جی! میرا مقصد آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا' میں تو صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ آپ منصور کے اس اقدام کا ذمہ دار مجھے نہیں ٹھہرا سکتے۔ اس نے یہ حرکت صرف

اپنے دل اور جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کے کی ہے۔ صرف اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جب کہ میں...... میں تو بھول ہی چکا ہوں کہ میرا کوئی دل بھی ہے۔'' وہ رندھے گلے کے ساتھ کہتا رہا لیکن دوسری طرف شاید فون رکھ دیا گیا تھا۔ وہ بے بسی سے ریسیور کو دیکھتا رہا۔

چند دنوں بعد اس نے پھر سے فون کیا۔ مقصد اماں کی دل جوئی کرنا تھا جو یقیناً منصور کی حرکت کے بعد بے حد ملول اور دل گرفتہ ہوں گی لیکن اس کی توقع کے برعکس وہ چہک رہی تھیں۔

''اچھا ہوا تمہارا فون آگیا' میں تمہارے ابا سے کہہ ہی رہی تھی کہ کال بک کروائیں۔''

''خیر تو ہے؟''

''ہاں ہاں' خیر ہی ہے۔ ماشاء اللہ سے تمہارے بھائی کا ولیمہ کررہے ہیں ہم لوگ' تم آ تو نہیں سکتے لیکن اطلاع کرنا تو ضروری ہے۔''

''ولیمہ؟'' وہ متعجب تھا...... اتنی جلد اماں نے اسے معاف کیسے کردیا لیکن پھر خود [illegible] پوچھنے لگا۔ ''اماں! کیا آپ منصور کو گھر لے آئیں......؟ چلیں اچھا کیا' بڑے دل [illegible] ہی شادی کا مظاہرہ کرنا چاہیے لیکن اماں......! یہ سب...... یہ سب ہوا کیسے؟''

''ہاں تو بیٹا اور کیا کرتے' جوان خون ہے' ایک بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھے' وہ تو گھر داماد بن کے اپنا آپ گروی رکھ بیٹھا۔ دوسرا گنوانے کا حوصلہ نہ تھا اور وہ کوئی اپنی مرضی سے مجھ سے دور تو نہیں ہوا تھا' میری ناراضی کے خوف سے چلا گیا تھا۔ شادی اپنی مرضی سے بے شک کی ہے لیکن گرہستی الگ نہیں کرنا چاہتا۔ میرے ایک بلاوے پر بیوی کو لیے بھاگا آیا۔'' وہ اسے نہ جانے کیا جتا رہی تھیں' وہ جان کر بھی انجان بنا رہا۔

''اور پھر دلہن...... کیا بتاؤں کتنی خوب صورت ہے' چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہیرا ڈھونڈ نکالا ہے میرے منصور نے۔ میرے گھر میں تو روشنی ہوگئی ہے۔ ناظمہ' فاطمہ بھی صدقے جا رہی ہیں بھابی کے اور پھر اسے گھر لانے میں میرا ہی تو فائدہ ہے۔ بیٹیاں اپنے گھر چلی جائیں تو بہو ہی سنبھالتی ہے۔ تمہاری والی سے تو امید نہیں' اب کیا دوسری کو بھی دور رہنے دیتی۔''

''نہیں نہیں اماں! میں نے یہ کب کہا۔ مجھے تو خوشی ہے کہ آپ نے منصور کو

UrduPhoto.com

معاف کر دیا اور دل سے اس کی بیوی کو قبول کر لیا۔'' اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

''ہاں تو بس بڑے بھائی بن کے اپنی خوشی کا اظہار بھی کرو۔ اس کے ولیمے پر دلہن کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ بھیج دو۔ میرا خیال ہے سونے کا کوئی سیٹ ٹھیک رہے گا۔ ساتھ میں کوئی میک اپ کا سامان' پرفیوم وغیرہ تو بھیجو گے ہی۔''

''جی اماں...... ٹھیک ہے' دیکھتا ہوں کوئی پاکستان آ رہا ہو تو بھیج دیتا ہوں۔ زیور آپ یہاں سے ہی خرید لیں' رقم بھیج دوں گا۔''

بے دلی سے کہہ کے فون رکھ دیا۔ اس کی سمجھ میں اماں کا دوہرا رویہ نہیں آ رہا تھا۔ کہاں تو وہ اب تک اس کی شادی کو ہضم نہ کر پا رہی تھیں اور اس کی بیوی کا ذکر سنتے ہی بیخ پا ہو جاتی تھیں اور کہاں اتنی آسانی سے منصور کی عیسائی بیوی کو کھلے دل کے ساتھ گھر میں جگہ دی جس نے ان کے بیٹے سے کورٹ میرج کی تھی۔

''شاید انہیں منصور سے بڑا سہارا محسوس ہوتا ہو' کم از کم وہ ان کے قریب تو ہے جب کہ میں تو ان کی نظر میں پرایا ہو چکا ہوں' پردیسی ہوں۔'' وہ اس نتیجے پر پہنچا۔

کچھ عرصے بعد ناظمہ نے فون پر اسے اماں اور منصور کی بیوی عمرانہ کے درمیان ہونے والی چپقلش کے بارے میں بتایا۔

''توبہ توبہ اتنی لمبی زبان اور اتنی پٹاخا لڑکی...... آخر کیوں نہ ہو' کم عمر کی تھوڑی ہی ہے' پکی عورت تھی۔ کتنے سالوں سے تو نرس تھی اسپتال میں' خرانٹ۔''

ناظمہ کی رائے پر اس نے تصور میں بھائی کے ولیمے کی تصاویر میں نظر آنے والی بھاوج کو لانے کی کوشش کی جو اچھی خاصی خوب صورت ہونے کے باوجود عجیب پکا پن سا چہرے پر سجائے ہوئے تھی۔ کم عمری کے باوجود معصومیت کی ہلکی سی رمق بھی اس کے نقوش سے واضح نہیں ہوتی تھی۔ دل ہی دل میں ناظمہ سے متفق ہونے کے باوجود اس نے اپنا تبصرہ محفوظ رکھا اور چپ چاپ ناظمہ کی بات سننے لگا جو جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے میں مصروف تھی۔

''آخر میرے ہی بھائیوں کے نصیبوں میں بڑی عمر کی عورتیں کیوں رہ گئی ہیں۔''

اس کی دہائی پر وہ پہلو بدل کے رہ گیا۔

''مسئلہ کیا ہے ناظمہ؟''

''کوئی ایک مسئلہ ہو تو بتاؤں' فاطمہ کا تو آپ کو پتا ہے کتنی سیدھی بلکہ بدھو ہے۔ اس بے چاری کو نوکرانی بنا کے رکھ دیا ہے اس عورت نے۔ خود ہر وقت پلنگ توڑتی رہتی

ہے' مجال ہے جو کسی کام کو ہاتھ لگا لے۔ فاطمہ غریب تو چپ کر کے سارا دن کام کرتی رہتی ہے' کبھی کبھی اماں بولیں تو یہ نواب زادی طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔ وہ وہ تماشا لگاتی ہے کہ سارا محلہ دیکھتا ہے اور تو اور ابا کو بھی نہیں بخشتی۔ میرے اماں ابا......'' وہ سسکنے لگی۔

''ہائے دونوں گھل گھل کے ختم ہو رہے ہیں اس چنڈال کے ہاتھوں۔''

''اور منصور...... وہ کچھ نہیں کرتا؟''

''وہ کیا کرے گا' اس کی مت تو تب ہی ماری گئی تھی جب یہ نوٹنکی بیاہ لایا تھا۔ آنکھوں دیکھی مکھی نگلی ہے اس نے۔ آدھا شہر اس کے قصوں سے واقف ہے۔ ہائے ہائے میرے باپ کی تو نسل ہی خراب ہو گئی۔ دونوں بہوئیں گنوں کی پوری......'' وہ مزید نہ کہہ سکا۔

''میں نہیں جانتا ناظمہ! تم نے عمرانہ میں کیا عیب دیکھا ہے' دیکھا بھی ہے یا نہیں' لیکن کلثوم کو تم جانتی تک نہیں اس لیے اس کے بارے میں ایک لفظ تک نہ کہنا۔''

''توبہ...... دونوں بھائی ایک جیسے ہو۔ اپنی زنانیوں کے بارے میں کچھ سن ہی نہیں سکتے۔ صحیح ہے کہ خدا گنجے کو ناخن نہیں دیتا۔ خدا جانے اگر تمہیں کوئی حور پری مل گئی ہوتی تو تب کیا حال ہوتا تمہارا۔ اس ڈائن کے پیچھے پاگل ہو رہے ہو۔''

''وہ جیسی بھی ہے میری بیوی ہے اور مجھے اس کے مضبوط کردار کا پورا یقین ہے۔ اس کی چند عادتیں میرے لیے ناگوار ضرور ہیں مگر صرف عادتیں...... ناظمہ وہ فطرت کی بہت ستھری عورت ہے۔ اس کے کردار میں کہیں کوئی دراڑ نہیں۔ اس آزاد فضا میں بھی اس نے خود کو بڑا سنبھال کے رکھا ہوا ہے۔''

''خاک سنبھالا ہوا ہے۔ یوں کہو کہ کسی نے منہ ہی نہ لگایا ہوگا۔ ذرا شکل وصورت اچھی ہوتی تو پتا چلتا نیک بی بی کتنے پانی میں ہے۔'' وہ ناظمہ تھی...... سرمد اس کی زبان کا کیا مقابلہ کرتا۔ خاموش ہو رہا۔

''خیر بات عمرانہ کی ہو رہی تھی...... تو اماں بھی بس نہیں کرتیں...... منصور شام کو آئے تو ہر بات کو دس سے ضرب دے کر اسے گرم کرتی ہیں پھر خوب تو تکار ہوتی ہے۔''

وہ مزے لے لے کے بتانے لگی اور وہ بے چارہ سر تھام کے رہ گیا۔ سرمد کو اندیشہ تھا گھر کا خراب ہوتا ماحول فاطمہ پر اثر انداز نہ ہو۔ وہ بی اے کر رہی تھی۔ اس نے دن بہ دن اماں پر اس کی شادی جلد از جلد کرنے کا زور ڈالنا شروع کر دیا۔ آخر ایک دن اماں کو ایک انجینئر کا رشتہ بھا ہی گیا۔

UrduPhoto.com

''لڑکا بڑا سوہنا' پڑھا لکھا جوان ہے۔ گھرانہ بھی اچھا ہے بس یہ ہے کہ لڑکے کی نوکری کراچی میں ہے۔ اس کے گھر والے کہتے ہیں جہیز بھلے نہ دو' کراچی میں ایک مکان یا کم از کم فلیٹ خرید دو تاکہ کرائے کے جھنجھٹ سے آزادی ملے۔''

''فلیٹ؟ اور وہ بھی کراچی جیسے شہر میں؟ یہ کیسے لالچی لوگ ہیں؟''

''لالچی کیوں؟ سب میری طرح تو نہیں ہوتے جو خالی ہاتھ بہوئیں گھر میں گھسا ڈالیں اور پھر اپنے لیے تو کچھ نہیں مانگ رہے۔ دیکھا جائے تو ہماری ہی بیٹی کا فائدہ ہے ورنہ بے چارے کی ساری تنخواہ کرائے میں نکل جایا کرے گی۔''

اور پھر اس کی کسی ''لیکن'' کو وہ خاطر میں نہ لائیں۔ اس کے پاس بچا ہی کیا تھا جو وہ فلیٹ خریدنے کے لیے ماں کو بھیجتا۔ آخر یہ حل نکالا کہ قسطوں پر فلیٹ خرید لیا جائے۔ یوں لاہور کے ساتھ ساتھ اب کراچی میں بھی ڈرافٹ جانے لگے۔

☆☆☆

اسامہ کے پانچ سال بعد خدا نے اسے بیٹی دی زینب...... نہ جانے کس گھڑی اماں کے منہ سے یہ بات نکلی تھی...... ''کہ کہیں اگر تمہاری بیٹی ماں کی شکل کی ہوئی تو'' اور واقعی وہ ماں کے تقریباً سارے نقش چرا لائی تھی۔ وہی سانولی رنگت' موٹا ناک' موٹے ہونٹ...... البتہ اس کے بال ماں اور نانی جیسے گھنے گھنگھریالے نہیں تھے بلکہ سرمد کی طرح سیدھے اور سلکی تھے۔

سرمد کو بیٹی کے کم رو ہونے یا سانولا ہونے کا کوئی افسوس نہ تھا بلکہ وہ تو اسامہ سے بڑھ کے زینب کو چاہنے لگا۔ رکم جو بیٹی کو دیکھ کے خوف زدہ ہوگئی تھی۔ باپ کی اس کے لیے محبت محسوس کر کے رفتہ رفتہ مطمئن ہونے لگی۔ جب وہ سرمد کو زینب کی پیشانی چومتے یا ہاتھ سہلاتے دیکھتی تو اسے بڑا عجیب سا محسوس ہوتا۔ ہمیشہ وہ خود کو شوہر کے مقابلے میں کم تر محسوس کرتی رہی اور اندر ہی اندر احساسِ کم تری کو پال پال کے تلخی کا شکار ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ اس کا یہ احساسِ کم تری ختم ہونے لگا۔

فاطمہ کی شادی پر جانے کی بھی اسے اجازت نہ ملی۔ ویسے بھی اب شمسی صاحب تقریباً گھر تک محدود ہوگئے تھے۔ ان پہ دل کے دو سخت حملے ہو چکے تھے' کاروبار کی تمام تر ذمہ داری سرمد کے سر پر تھی۔ ایسے میں وہ خود ہی پاکستان جانے کا خیال بھلا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی اس قید سے سمجھوتہ کر لیا تھا کہ اچانک ایک دن ظہور احمد شمسی نے آ کے حیران کر ڈالا۔ وہ اسے کچھ کاغذات تھما رہے تھے۔

''یہ سب تمہارا ہے سرمد! تمہاری محنت کی کمائی۔''

''میری محنت کی کمائی لیکن ڈیڈی! میرا معاوضہ تو آپ مجھے ہر ماہ ادا کر دیتے ہیں نا۔'' وہ حیرت سے ان کاغذات کو دیکھنے لگا جن کے مطابق وہ ایک بھاری بینک بیلنس کا مالک تھا۔ اس کی بات سن کر شمسی صاحب ہولے سے مسکرائے۔

''تمہارا معاوضہ...... تمہاری خدمات کا تو کوئی معاوضہ ہو ہی نہیں سکتا بیٹا! تم نے واقعی داماد بن کے نہیں بلکہ بیٹا بن کے اپنے فرائض ادا کیے۔ تمہارا انتخاب کرتے ہوئے میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ تم ایک شریف اور ضرورت مند انسان ہو' اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے وہی کرو گے جو میں چاہوں گا اور تمہاری شرافت تمہیں کوئی دھوکا دینے سے باز رکھے گی لیکن بیٹا! یہ تو میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ تم اتنے نیک صفت انسان ثابت ہو گے۔ تمہارے کسی رویے سے کبھی یہ نہ لگا کہ تم نہ چاہتے ہوئے ہمارے ساتھ رہنے پر مجبور ہو۔ میری بیٹی کے ہر خراب رویے کے باوجود تم نے کبھی اس کے ساتھ ناروا سلوک نہ کیا۔ میری ہر زیادتی خوش دلی سے برداشت کی۔ میری عزت کرنے میں کبھی تنگ دلی کا ثبوت نہ دیا۔ یہ تمہارا ہی ظرف ہو سکتا ہے بیٹا! ورنہ آج کل تو ہر کوئی اپنی غرض کا بندہ ہے۔ مجھے ہی دیکھ لو میں نے اپنی غرض اور مطلب کے لیے تمہیں استعمال کیا' تمہاری مجبوریوں کا سودا کرنے سے نہ ہچکچایا۔ تمہاری آزادی سلب کی' تمہیں تمہارے اپنوں سے برسوں دور رکھا' تمہیں وہ حق نہ دیا جس کے تم مستحق تھے۔'' وہ کہتے کہتے ہانپنے لگے۔

''ایسا مت کہیے ڈیڈی! آپ کی بدولت میں یہاں تک پہنچا ورنہ میں کیا تھا۔ آپ نے تو مجھ پر بڑا احسان کیا' میری دنیا بدل دی۔''

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا' حقیقت تو یہ ہے کہ میں تمہیں ایک ملازم ہی سمجھتا رہا' ایک مفت کا ملازم...... تم ایک معمولی سی تنخواہ میں میرے کاروبار اور گھر کی ذمہ داریاں اٹھاتے رہے' اتنے بھروسے کا آدمی مجھے کہاں سے ملتا۔ میں نے تم سے ایک نہیں بلکہ چار چار آدمیوں کا کام لیا مگر تمہیں ایک ہی آدمی کے برابر تنخواہ دیتا رہا۔ اس میں میری خود غرضی شامل تھی۔ میں سمجھتا تھا تم اپنی مجبوری کی وجہ سے میرے ساتھ رہنے پر مجبور ہو' اگر تمہارا ہاتھ کھل گیا تو تم خود مختار ہو جاؤ گے۔ یہ سب میں اپنے کاروبار کو نہیں بلکہ بیٹی کو بچانے کی خاطر کرتا رہا' اسے صرف تم ہی برداشت کر سکتے تھے اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ مطمئن رہنے لگی ہے' وہ تمہاری عادی ہوتی جا رہی

UrduPhoto.com

تھی۔ اگرچہ وہ ظاہر نہیں کرتی لیکن میں اس کا باپ ہوں اس کی رگ رگ سے واقف' تمہیں اس کے ساتھ باندھے رکھنے کے لیے میں نے جو ضروری جانا وہ کیا' مجھے معاف کردو بیٹا!'' وہ ان کے بندھے ہاتھ تھام کے رہ گیا۔

''لیکن مجھے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔ میں نے تمہارے حق کی ساری رقم الگ سے تمہارے نام کے اکاؤنٹ میں جمع کرانی شروع کردی۔ اگرچہ میرے بعد جو کچھ کلثوم کا ہے' اس میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ میں نے تمہیں اپنا بیٹا مان لیا ہے لیکن یہ جو رقم ہے یہ صرف اور صرف تمہاری ہے جو کسی وسیلے سے تمہیں نہیں ملی بلکہ تم نے خود کمائی ہے۔ اپنی محنت اور ہمت کے بل بوتے پر' اس پر تمہیں فخر ہونا چاہیے۔ اور یہ...... تمہارا پاسپورٹ۔''

وہ رقم سے زیادہ پاسپورٹ پا کے خوشی سے دنگ رہ گیا۔ کچھ روز بعد ڈیڈی کی طبیعت سنبھلتے ہی وہ کلثوم سے مشورہ کرنے کے بعد پاکستان روانہ ہوگیا۔ اس کے پاس ایک کثیر سرمایہ تھا اور اس بار اپنی سرزمین پر لوٹتے ہوئے وہ اس سرمائے کے ساتھ کچھ خواب بھی لایا تھا۔

اپنا ایک گھر بنانے کا خواب......

مستقل طور پر پاکستان سیٹل ہونے کا خواب......

اپنا کاروبار شروع کرنے کا خواب......

☆☆☆

اسامہ چودہ سال کا تھا اور زینب نو سال کی' دونوں کی اسکولنگ جاری تھی۔ ایسے میں وہ نہ تو انہیں ساتھ لے جاسکتا تھا نہ ہی کم کو۔ وہ تقریباً بیس سال بعد اپنے وطن جارہا تھا' اس لیے سخت ہیجان کا شکار تھا۔ اس سے جتنے بھی تحائف خریدے جاسکے اس نے خریدے۔

مزنگ کے پرانے محلے میں وہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر آیا تھا اور وہاں سے سمن آباد' سمن آباد سے سبزہ زار اور سبزہ زار سے ہوتے اب وہ گلبرگ کی ایک کوٹھی میں رہائش پذیر تھے۔ ٹیکسی سے اترتے سرمد نے ایک نظر اس سنگل اسٹوری پرانی سی کوٹھی کو دیکھا اور افسوس سے سر ہلا دیا۔

''یہ ہے وہ کوٹھی جس کا کرایہ ابا دس ہزار ماہانہ دے رہے ہیں۔ کاش انہوں نے بڑے بڑے مہنگے علاقوں میں رہائش اختیار کرنے اور کرائے کے مکانوں پر رقم جھونکنے

کے بجائے کچھ بچت کرکے ایک چھوٹا سا ہی سہی مگر اپنا مکان تعمیر کرلیا ہوتا۔ خیر...... جو ہونا تھا ہوگیا' اب ان شاءاللہ میں اپنے ابا اور اماں کا برسوں پرانا خواب پورا کروں گا۔''

وہ عزم کرتا اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے آنے کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی' اسی لیے پورا گھر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوگیا۔ خود وہ حیرانی سے ایک ایک کو تک رہا تھا۔ ناظمہ بالکل اماں کی اس وقت کی تصویر لگ رہی تھی' جب وہ اماں کو پاکستان چھوڑ کے امریکہ گیا تھا۔ اس کے پانچ بچے تھے' چار لڑکیاں اور ایک لڑکا۔

فاطمہ بہت کمزور اور زرد رو نظر آرہی تھی' اس کے صرف دو بیٹے تھے' اس کا شوہر بھی موجود تھا۔

منصور بہت بڑا بلکہ بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سر کے بال تقریباً اڑ چکے تھے جو رہ گئے تھے ان میں سفیدی اتر آئی تھی۔ نظر کا چشمہ بھی لگا تھا اور توند بھی باہر کو نکلی ہوئی تھی البتہ اس کی بیوی خوب لشکارے مار رہی تھی۔ گہرے کالے رنگے ہوئے بالوں میں بڑا سا رنگین کلپ لگا رکھا تھا۔ رات کے اس پہر مٹے مٹے میک اپ کے نقوش واضح تھے اور سرمد کے آتے ہی لپ جھپک وہ تیز رنگوں والا ریشمی سوٹ بھی پہن چکی تھی۔ منصور کے تین بچے تھے دو بیٹے [illegible] سے چھوٹی بیٹی۔ اسی کے بڑے بیٹے کے دسویں میں [illegible] کی چھوٹی سی تقریب تھی جس کے لیے دونوں بہنیں اکٹھی آئی ہوئی تھیں۔ اماں اور ابا دونوں ہی بے حد ضعیف اور کمزور ہوچکے تھے۔ ابا کی نظر تو تقریباً ختم ہوگئی تھی۔ شوگر اور بلڈ پریشر دونوں کی زیادتی نے انہیں کمزور کرکے رکھ دیا تھا۔ وہ ان کی حالت دیکھ کے افسردہ ہوگیا۔

برسوں کی اداسیاں چند دنوں میں تو ختم نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ [illegible] کے باقی ماندہ گھنٹے بھی یوں ہی ماں کی گود میں سر رکھے گزار دے لیکن اس کے بھتیجوں' بھانجوں کو اپنے گفٹس دیکھنے کی بے قراری تھی۔ ناظمہ نے بھی کہا۔

''ہاں بھائی! جو دینا ہے بچوں کو دے ہی دو تو اچھا ہے' کل تو میں واپس اپنے گھر جارہی ہوں۔''

''ناظمہ! میں اتنے عرصے بعد لوٹا ہوں اور تم دو دن بھی بھائی کے ساتھ نہیں گزارو گی؟''

''کیوں نہیں' لیکن میں کل سے یہاں پڑی ہوں' صبح گھر جا کے ذرا اور کپڑے وغیرہ لے آؤں بچوں کے' پھر پورا ایک ہفتہ تمہارے پاس رہوں گی لیکن تم میرے اور

میرے بچوں کے لیے جو کچھ لائے ہو وہ ابھی دے دو...... بعد میں کیا پتا......" وہ منہ میں ہی کچھ بڑبڑانے لگی۔ باہر نکلتی عمرانہ نے پلٹ کر تیز لہجے میں کہا۔

"ہم کوئی چور ہیں جو تمہاری چیزیں لے اڑیں گے۔"

"میں نے کب کسی کا نام لیا اونہہ...... چور کی داڑھی میں تنکا۔"

"خدا کا واسطہ ہے باجی! بھائی جان کیا سوچیں گے' ابھی ابھی تو وہ گھر آئے ہیں۔"

فاطمہ نے بڑی بے چارگی سے بہن اور بھاوج دونوں کے آگے ہاتھ جوڑے۔ خود اس کا اپنا جی مکدر ہو گیا اور یہ تکدر بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس نے اتنے چاؤ سے سب کے لیے تحائف خریدے تھے لیکن بدقسمتی سے سب ہی کو اپنے گفٹس کے بجائے دوسرے کی چیز زیادہ پسند آ رہی تھی۔

منصور کے لیے تو خیر دو تین رنگ کے ٹو پیس سوٹ تھے پھر بھی اس کی نیت نہ بھری اور وہ سرمد کے ہر سوٹ اور ہر شرٹ پر ہاتھ رکھتا رہا۔

"بھائی جان جاتے ہوئے یہ مجھے دے جائیے گا اور یہ شوز بھی...... بلکہ اپنے سارے شوز دے جائیں' آپ کا اور میرا ایک ہی سائز ہے' یہاں جوتے کسی کام کے نہیں ملتے۔"

"تو میں کیا ننگے پیر واپس جاؤں گا۔" وہ ہنسنے لگا۔

"لیں بھلا آپ کو جوتوں کی کیا کمی۔" وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہنے لگا تو سرمد ٹھٹکا۔ ناظمہ کے شوہر ادریس نے گرہ لگائی۔

"اور کیا؟ آپ کے سسر سلامت' جوتے بہت۔" عجیب چبھتا ہوا لہجہ اور ذو معنی الفاظ تھے۔ امریکا میں اتنے سال رہنے کے بعد اب اسے ٹیڑھے میڑھے جملوں کی عادت نہیں رہی تھی۔ ناگواری کی لہر نے تھکان اس پر غالب کر دی' جسے وہ اپنوں سے ملنے کے جوش میں بھلائے بیٹھا تھا۔

اس کا موڈ تبدیل ہوتے دیکھ کر فاطمہ کے مشورے پر اماں نے سب پھیلاوا سمیٹنے کا حکم دیتے ہوئے اسے سونے کے لیے کمرے میں جانے کا کہا۔ ویسے بھی صبح ہونے والی تھی۔ اس نے چائے کے گرما گرم کپ کے ساتھ کیک اور بسکٹ کھائے اور سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ ابھی شاید اس کی آنکھ لگے بہ مشکل آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ عجیب سے شور اور چیخنے چلانے کی آوازوں سے وہ ہڑبڑا کے جاگ گیا۔ غنودگی میں ڈوبے

ذہن کو حواسوں میں لاتے ہوئے اس نے غور کیا تو ناظمہ اور عمرانہ کے درمیان تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ بیچ بیچ میں منصور بھی دھاڑ رہا تھا۔ وہ لپک کے کمرے سے نکلا۔ عجیب میدانِ جنگ گرم تھا۔

صحن کے بیچوں بیچ ناظمہ سارا سامان سمیٹے' جانے کے لیے تیار کھڑی عمرانہ کی بہات نسلیں کھنگال رہی تھی۔ دوسری طرف عمرانہ آستین چڑھائے اپنی دو دھاری زبان کے جوہر دکھا رہی تھی۔ یہ منظر اس کے لیے بہت اجنبی سا تھا۔ وہ ادھر ادھر بقایا افراد کو دیکھنے لگا۔ سب کے بچے اپنی اپنی پارٹی کی طرف کھڑے ایک دوسرے کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ منصور صوفے پر دونوں ٹانگیں اوپر کیے بیٹھا تھا جہاں ناظمہ کا پلڑا بھاری ہوتا وہ اپنی جنگجو بیوی کو زبانی کلامی کمک پہنچاتا۔

فاطمہ ہاتھوں میں سر دیے بے بسی سے بیٹھی تھی جب کہ اس کا شوہر ناظمہ کے شوہر ادریس سے الجھنے میں مصروف تھا۔ اماں ایک طرف بیٹھی بے زاری سے سارا تماشا دیکھ رہی تھی جب کہ ابا چائے کے گھونٹ بھرتے سراسر لاتعلقی سے پنجرے میں اٹکھیلیاں کرتے طوطے کی طرف مگن تھے۔ اس نے خود ہی اس آگ میں کودنے کا فیصلہ کیا اور پہلے بہن کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ سننے پر تیار نہ تھی۔

"ہاں تو بڑے رستم زماں بنی ہے۔ سب پتا ہے مجھے کیسے فاقے کرتے تھے تم لوگ' یہ تمہارا بھائی گھر داماد بنا اور بیوی کا مال لوٹ کے تمہیں بھر رہا ہے۔ آخ تھو' لعنت ایسی کمائی پر۔"

"تیری بڑی حلال کی کمائی ہے' پتہ ہے مجھے کس اسپتال میں تھی اور کس قسم کی نرس تھی۔ کمپاؤڈر سے لے کر وارڈ بوائے تک پھنسا رکھے تھے۔" وہ ان دونوں کی الزام تراشیوں سے خائف ہو کے بہنوئیوں کی طرف پلٹا۔

"بھائی جان! آپ ہی اسے سمجھائیں یا کم از کم اس وقت اسے یہاں سے لے ہی جائیں۔"

"جاتا ہوں' جاتا ہوں۔ کتا نہیں جو تمہاری طرح سسرال کے دروازے پر پڑا رہوں۔" وہ نہ جانے کس پر چڑے بیٹھے تھے جو اسے لتاڑ کے رکھ دیا۔ وہ دنگ رہ گیا اتنے بے رحم الفاظ پر۔

"کسے سنا رہے ہو' کسی غلط گمان میں مت رہنا۔ میں نے کبھی کسی کی اونچی آواز نہیں سنی۔" فاطمہ کا شوہر نبیل بھڑک اٹھا۔

UrduPhoto.com

Scanned by Muskaan
forums

''چھوڑیں نبیل! جانے دیں۔'' فاطمہ نے اس کا بازو تھاما' جسے اس نے ایک جھٹکے سے چھڑایا۔

''چلو سامان سمیٹو اپنا' پتا نہیں کس لیے میں یہاں اس ''چنگڑ خانہ'' میں آ جاتا ہوں۔ پھنس گیا ہوں تم سے شادی کر کے۔ ایک سے ایک نمونہ بھرا پڑا ہے تمہارے میکے میں۔''

سرمد لاچاری سے ہر طرف گردن گھما گھما کے دیکھنے لگا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ نبیل اب بیوی پر برس رہا تھا اور وہ آنسو بہا رہی تھی۔ ادریس بھائی غصے میں بچوں کو پیٹ رہے تھے۔ ناظمہ بہ دستور عمرانہ کے بخیے ادھیڑ رہی تھی اور وہ بے چارہ نہ جانے کس لیے بار بار لپیٹ میں آ رہا تھا۔

''میرے بھائی کی کمائی پر سب سے زیادہ حق میرا ہے۔'' ناظمہ نے سینہ ٹھونک کر اعلان کیا۔ ''جب اس کا ویزا لگا تو کیا تھا اس کے پاس ایئر ٹکٹ کے لیے میرے جہیز کے زیور بکے۔ کون اتنا حوصلہ کرتا ہے جتنا میں نے کیا۔''

''ارے جا' سب جانتی ہوں تو اور تیرا زیور۔'' عمرانہ نے للکارا۔ منصور بھی بیچ میں بول پڑا۔

''وہ زیور تھا؟ چھلے جیسی جھمکیاں اور تار جیسی [illegible] اگر احسان کیا بھی تو بھائی جان نے دس گنا زیادہ کر کے یہ احسان اتار ہی دیا تھا۔''

''وہ میرا بھائی ہے' احسان کیسا؟ بہنوں کو سب دیتے ہی ہیں۔ ہاں احسان تو تم پر کیا تھا' بیس لاکھ روپیہ اور سود کے بارہ لاکھ...... جو سب کے سب تم نے ڈبو دیے۔''

عجیب سا کھاتہ کھل گیا۔ سرمد نے آخری حل یہی نکالا کہ کمرہ بند کر کے بیٹھ جائے۔

کچھ دیر بعد جب ناظمہ اور فاطمہ اپنے اپنے گھر چلی گئیں تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ منصور نے بلند آواز میں ڈیک لگا لیا۔ عمرانہ پراٹھے تلنے لگی۔ اماں نے ایک موٹی سی گالی سے اسے نوازا۔

''میری بیٹیاں آ جائیں تو کمینی مکر کرتی ہے۔ وہ گھر سے نکلتی ہیں تو بھلی چنگی ہو جاتی ہے۔''

ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو سے منٹوں میں ماحول کی تلخی زائل ہو گئی۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں دنگل مچا ہوا تھا۔ سرمد نے اندازہ لگایا کہ یہ ان کے لیے معمول کی بات ہوگی اسی لیے سب اتنا نارمل تھے۔

UrduPhoto.com

ابا کو خوش خبری دینے کے لیے وہ اتنا بے چین تھا کہ اس سے مزید رہا نہ گیا اور اس نے اپنا گھر بنانے کا عندیہ ظاہر کر دیا۔ خوشی کے مارے ابا بے حال ہو گئے۔ اماں بھی اس کا ماتھا چومنے لگیں۔ منصور بھی پرجوش ہو کے نت نئے آئیڈیے دینے لگا۔

''ڈیفنس چلتے ہیں بھائی جان یا پھر کینال ویو۔ ایک کنال کا پلاٹ بہت ہوگا۔ اچھا خوب صورت ڈبل اسٹوری بنگلہ بن جائے گا۔''

''میرے پاس اتنا وقت نہیں منصور! کوئی بنا بنایا بنگلہ اگر مل جائے تو بہتر ہے۔''

''کیوں رقم برباد کرنی ہے۔ خراب میٹریل لگا کے بیچتے ہیں یہ ٹھیکے دار۔ آپ فکر نہ کریں میں کس لیے ہوں' خود کھڑے ہو کے بنواؤں گا۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے ایسی پائیدار چیز ہوگی۔ بس آپ یہ بتائیں آپ کتنا خرچ کر سکتے ہیں؟''

''زمین دیکھ لیں پھر یہ طے کریں گے۔'' اس نے کہا اور منصور اگلے ہی روز اسے مختلف پلاٹ دکھانے لے گیا۔ کینال ویو پر ایک ڈھائی کنال کا پلاٹ اسے پسند آیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ڈیڑھ کنال کے رقبے پر تعمیر کر کے اردگرد لان اور سوئمنگ پول کی جگہ چھوڑی جائے۔ نقشہ فائنل ہوا' زمین خریدی گئی' ٹھیکے دار سے بھی معاہدہ ہوا۔ تعمیر کا کل تخمینہ [illegible] اس نے سارے اختیارات منصور کو سونپ دیے۔ کل ساٹھ لاکھ فی الحال اسے تھما دیے۔

''میرا خیال ہے اتنے میں کام ہو جائے گا۔''

''آپ کو مکان کب تک چاہیے؟'' منصور کے پوچھنے پر سرمد نے کچھ سوچ کے کہا۔

''ابھی کچھ عرصہ مجھے وہیں رہنا ہوگا' اسامہ کا اولیول ہو جائے تو پھر دیکھوں گا۔ زینب کی خیر ہے وہ ابھی چھوٹی ہے لیکن اسامہ کی تعلیم متاثر ہوگی' اس مرحلے پر تبدیلی سے۔''

''چلیں پھر تو خاصا وقت ہے آرام سے ڈیکوریٹ بھی ہوتا رہے گا بس...... بس آپ خرچے میں ہاتھ کھلا رکھنا۔ جتنا گڑ ڈالے گا اتنا ہی میٹھا۔''

☆☆☆

اور وہ واپس امریکا چلا گیا تھا' منصور پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے۔ وقتاً فوقتاً اس کے مطالبے پر وہ رقم بھی بھیجتا رہا۔ ایک مرحلے پر تو اسے محسوس ہوا کہ رقم ٹھیکے دار کے لگائے گئے تخمینے سے بہت زیادہ ہو رہی ہے' اس کے استفسار پر منصور نے وضاحت کی۔

''بھائی جان! میں نے نقشے میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ اباجی نے کہا تھا۔ ان کے کہنے کے مطابق میں نے اوپر کے پورشن میں چند اور کمرے ڈلوائے ہیں تاکہ ناظمہ باجی اور فاطمہ رہنے آیا کریں تو ان کے لیے خاصی جگہ ہو اور پھر میرے بچے بھی تو بڑے ہورہے ہیں' سب کے لیے الگ الگ کمرے چاہئیں۔''

جواب میں وہ چپ رہا لیکن اس سے خاموش نہ رہا گیا۔ جب بنگلہ تعمیر ہوجانے کے بعد منصور نے اس کی فرمائش پر بنگلے کی تصاویر اور مووی بنوا کے بھیجی۔ باہر سے دیکھنے میں وہ ویسا ہی تھا جیسا اس نے پسند کیا تھا مگر لان بے حد مختصر تھا اور سوئمنگ پول' ٹینس کورٹ ندارد جب کہ ایک طرف دو تین کمرے ڈال کر الگ سے انیکسی نما عمارت بنی ہوئی تھی' اس نے فوراً بازپرس کی۔ منصور کے پاس جواب حاضر تھا۔

''انیکسی نہیں ہے بھائی جان! پچھلی طرف تو سرونٹ کوارٹرز ہیں اور یہ جگہ عمرانہ نے اپنے بیوٹی پارلر کے لیے بنوائی ہے' اس نے کورس کیے ہیں جسے وہ کام میں لانا چاہتی ہے۔ اس علاقے میں ایسا جدید اور ماڈرن پارلر خوب چلے گا۔''

''اور وہ سوئمنگ پول' گرین ہاؤس' ٹینس کورٹ۔''

''ان کی جگہ نہیں نکلی' آخر لان بھی تو بنانا تھا' بڑی مشکل سے بنا۔''

''ڈیڑھ کنال کا رقبہ تھا' آخر کہاں گیا؟''

''اوہو بھائی جان! دراصل میں پہلے آپ کو بتانا نہیں چاہ رہا تھا کہ کہیں آپ پریشان نہ ہوجائیں۔ دراصل آپ کے جانے کے بعد اس زمین کے کوئی اور دعوے دار آگئے' یہ تنازعے والی اراضی تھی بڑا مسئلہ ہوا۔ مت پوچھیں کس مشکل سے اس مصیبت کو ٹالا۔ کتنی رشوتیں دے کر یہ مسئلہ حل کرایا' آخر ایک کنال لے کر نکلے ہیں۔''

''کیا.....؟ اور تم نے دے دیا۔ بغیر مجھ سے پوچھے؟'' وہ حیرت زدہ تھا۔ بغیر کسی کاغذی کارروائی کے یہ سب کیسے ہوسکتا تھا' اس کا دل منصور کی کسی بات پر ایمان لانے کو تیار نہ تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ وہ دل ہی دل میں تلملاتا ہوا' خاموش رہا۔

''ابھی اسے کچھ دن پہلے ہی سب لوگوں کے کینال ویو والے بنگلے میں' شفٹ ہونے کی خبر ملی تھی اور اس کے بعد دوسری خبر ابا کے انتقال کی آئی۔ اسے امریکا آئے ڈیڑھ سال ہی ہوا تھا' اتنی جلدی وہ واپس نہیں جاسکتا تھا۔ ویسے بھی اس کا ارادہ جلد از جلد مستقلاً پاکستان سیٹل ہونے کا تھا اور اس سے پہلے پاکستان کا ایک اور چکر لگا کے وہ

شمسی صاحب کو ناراض نہیں کرسکتا تھا۔ فی الحال وہ ان کو اور ان کے کاروبار کو زیادہ سے زیادہ وقت دے کر ان کی خوش نودی حاصل کررہا تھا۔ کم نے سرسری سا پوچھا بھی لیکن اس نے ٹال دیا۔

''کوئی فائدہ نہیں' اباجی کا آخری دیدار تو نصیب نہیں ہوسکتا' ان کی حالت ایسی نہیں کہ انہیں چند گھنٹے بھی مزید رکھا جاسکے۔ اب سے کچھ دیر بعد ان کی تدفین ہونے والی ہے' میرا وہاں جانے کا کیا فائدہ؟'' وہ مزید کچھ نہ بولی۔

وہ اور زیادہ مصروف ہوگیا۔ اس نے کم اور شمسی صاحب دونوں پر واضح کردیا کہ اب وہ پاکستان منتقل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ شمسی صاحب نے کوئی تبصرہ نہ کیا البتہ ان کی شکستگی واضح تھی۔ ان کی عمر اب مزید بوجھ کی متحمل نہیں تھی جب کہ ان کا کاروبار اب بہت زیادہ پھیل چکا تھا۔ انہوں نے سرمد کو مشورہ دیا کہ پیٹرول پمپ اور تینوں اسٹورز بیچ دیے جائیں جب کہ ہوٹل وہ کرائے پر دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ ولا انہوں نے اسامہ کے نام کردیا تھا۔ بزنس کو وائنڈ اپ کرنے کے لیے سرمد پہلے سے بڑھ کر سرگرم ہوگیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جلد بازی میں شمسی صاحب کو کوئی مالی نقصان اٹھانا پڑے' اس لیے اس نے یہ کوشش کی کہ ایک آدھ سال میں اسٹورز کی حالت اتنی عمدہ کردے کہ وہ اچھی سے اچھی قیمت پر بک سکیں۔

* * *

اسی دوران منصور کے فون نے اسے چونکا کے رکھ دیا۔ وہ اسے اباجی کی وصیت کے بارے میں بتارہا تھا کہ انہوں نے بنگلہ اپنی چاروں اولادوں کے درمیان شرعی لحاظ سے تقسیم کردیا ہے۔ سرمد ہکا بکا رہ گیا۔

''دل..... لیکن یہ بنگلہ..... یہ بنگلہ تو میرا.....''

''بھائی جان! آپ نے خود ہی اسے اباجی کے نام کیا تھا۔''

''ہاں..... وہ بڑے تھے' ان کے ہوتے ہوئے میں باہر اپنے نام کی تختی کیسے لگا سکتا تھا۔ ان کا سالوں پرانا خواب پورا کرنے کے لیے میں نے کاغذات پر بھی ان کا نام لکھوایا' لیکن تم تو جانتے ہو..... سب جانتے ہیں کہ اس کی اینٹ اینٹ میں میرا خون پسینہ شامل ہے۔''

''اب کیا ہوسکتا ہے' اگر آپ جھوٹ موٹ یہ سب کررہے تھے تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ کاغذات بھی جھوٹے بنواتے۔ اب تو قانون کی رو سے آپ کے ساتھ ساتھ میں

فاطمہ اور باجی بھی حصے دار ہیں بلکہ اماں بھی۔"

"لیکن منصور......! میں نے سالوں سے پردیس میں قید تنہائی کاٹی ہے' مشقت کی ہے' یہ پیسے میں نے بڑی مشکل سے کمائے ہیں۔ قانون کو چھوڑ دو' تم اپنی بات کرو۔ کیا تم یہ ناانصافی گوارا کر سکتے ہو؟"

"ناانصافی کیسی؟ میں نے کوئی دھوکا دہی کی ہے؟ میں اپنا حق کیوں چھوڑوں؟ باپ نے دیا ہے' جائز حق ہے' چھوڑنے کی تک بھی کوئی نہیں۔"

"میں ناظمہ سے بات کروں گا' فاطمہ سے کہوں گا' کوئی تو انصاف سے کام لے گا۔"

"کر لیں بات' ویسے وہ پہلے ہی ایک بات مجھ سے کر چکی ہیں کہ دونوں ہی آئی تھیں بمع اپنے شوہروں کے' یہ کہنے کے لیے کہ وہ تو اپنا گھر بار چھوڑ کے یہاں رہنے نہیں آ سکتیں' اس لیے باپ کی جائداد میں سے انہیں جتنا حصہ ملا ہے' وہ انہیں دے دیا جائے۔ یعنی کہ بنگلہ کی مالیت میں سے جتنے فی صد ان کا حصہ ہے وہ اب ان دونوں کو دینا پڑے گا۔"

"تو اب تم یہ بنگلہ فروخت کرنے کا پروگرام بنا رہے ہو؟"

"میرا کیا دماغ خراب ہے بھائی جان! لیکن ان دونوں کو ٹالنا بھی ضروری ہے۔ ایسا کیوں نہ کریں کہ جتنا ان کا حصہ بنتا ہے دے دلا کے فارغ کریں' اس طرح یہ بنگلہ صرف آپ کی اور میری ملکیت ہو جائے گا۔" سرمد پہلے ہی انکشافات کی زد میں تھا۔ منصور کے بے سروپا دعوے اسے اور تیخ پا کیے دے رہے تھے۔ کتنے مزے سے وہ پکے پکائے حلوے پر ملکیت جتا رہا تھا اور اب اس سے مزید رقم نکلوانے کے چکر میں تھا۔ ایک ایسی چیز جس پر اس کا پورا پورا حق تھا' اس کی ملکیت میں نصف کا حق دار بننے کے لیے اسے اب اور رقم دینا ہوگی۔ اس نے دل میں مزید احمق بنے رہنے سے انکار کر دیا۔

"منصور! میرے پاس اب بالکل بھی پیسہ نہیں ہے' میں نے اپنی عمر بھر کی کمائی اندھوں کی طرح اس بنگلے پر لٹا دی اور مجھے کیا ملا...... ایک چوتھائی حصہ...... میں کس کے آگے اپنا مقدمہ رکھوں' کس سے بات کروں...... خدا اباجی کی مغفرت کرے نہ جانے کیا سوچ کر وہ یہ فیصلہ کر گئے لیکن اب اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں اور بھی کنگال ہو جاؤں تو میری طرف سے صاف جواب ہے' اگر انہیں اتنا ہی پیسے کی ہوس ہے تو ٹھیک ہے' بنگلہ بیچ دو اور ان کے حصے انہیں دے دو۔ مجھے اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"خیر بیچوں گا تو میں ہرگز نہیں۔ آپ کو پروا نہیں لیکن میں نے تو پورا ایک سال مزدوروں کے سر پہ کھڑے ہو کے اس کی ایک ایک اینٹ رکھوائی ہے' اپنی محنت میں یوں ضائع نہیں ہونے دوں گا۔"

اور سرمد تلخی سے سوچتا رہ گیا کہ اس کی ایک سال کی محنت زیادہ بھاری تھی یا پردیس میں کاٹے تیس سال کی اذیت۔

"کسی نہ کسی طرح انتظام کر کے میں فاطمہ اور باجی دونوں کو ان کا حصہ دے دوں گا لیکن یہ یاد رہے کہ ان کو مکمل ادائیگی کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ بنگلے کا ستر فی صد مالک اب میں ہوں۔"

اس نے جتا دیا اور سرمد دیر تک خود کو یقین دلاتا رہا کہ یہ الفاظ اس کے اپنے سگے بھائی کے تھے۔ یہ دھوکا اس کے اپنے خون نے اسے دیا ہے۔ بے اعتباری کا یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ کسی کو اپنے غم میں شریک تک نہ کر سکا۔ اس کی اپنی سگی ماں تک نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اس آخری حملے کے بعد وہ اتنا دل گرفتہ ہوا کہ مہینوں پلٹ کے پاکستان کی خبر نہ لی نہ وہاں سے کسی نے یاد کیا۔

وہ ایک بار پھر سے شمسی صاحب کے کاروبار میں جت گیا۔ اس نے دوبارہ اپنے پاکستان جانے کا ذکر تک نہ کیا۔ کم بختے بھی زیادہ کریدنے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ وہ شدت سے منتظر تھا کہ کوئی پوچھے۔ کوئی تو پوچھے...... کہ جس دیس میں جانے کی تمہیں اتنی چاہ تھی' جس چھت کے نیچے بسنے کے تم اتنے خواہش مند تھے...... اب کیوں خوف زدہ ہو جاتے ہو اسی دیس کے نام سے۔ اس مٹی کی مہک اب تمہیں بے چین کیوں نہیں کرتی۔

* * *

تقریباً ڈیڑھ سال تک اس کے اور بہنوں بھائی کے درمیان کوئی رابطہ نہ رہا۔ دل ہی دل میں ان سے ناراض ہونے کے باوجود وہ اب بھی منتظر تھا کہ شاید اس کا بھائی اسے پکارے' اسے منا لے' کوئی بہن ہی پیار بھری صدا دے لے لیکن اس کے برعکس اسے صرف چند سطری خط موصول ہوا جس میں کسی نے بڑی عجلت کے ساتھ اسے اماں کے گزرنے کی اطلاع دی۔ اس نے تڑپ کے گھر فون کیا۔

"یہ خط...... کیا مطلب ہے اس خط کا...... اتنے سالوں میں پہلی بار یہ خط لکھا اور

UrduPhoto.com

وہ بھی اس مقصد کے لیے؟ کیا یہ اطلاع مجھے فون پر نہیں دی جا سکتی تھی۔ کیا تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ ابا کی طرح اماں کے آخری دیدار سے بھی میں محروم رہ جاؤں۔"

"اگر ایسی ہی فکر آپ کو ہوتی بھائی جان! تو آپ خود فون کر لیتے۔ آپ نے تو پلٹ کے دوبارہ ماں کو نہیں پوچھا۔ ہمارے فون کیا مفت کے ہیں جو امریکہ کالیں کرتے۔"

منصور کے طعنے پر وہ یہ جتا نہ سکا کہ لمبی لمبی فرمائشوں سے بھری لمبی لمبی کالیں اسے کتنی تعداد میں موصول ہوتی رہی ہیں۔ دل میں تو یہ ان کا احساسِ جرم تھا جو وہ اس کا سامنا نہ کرنا چاہتے تھے یا پھر انہیں یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ واپس آ کر بنگلے کی ملکیت پر دعوا نہ دائر کر دے حالانکہ وہ تو کب کا اس نقصان کو بھلا چکا تھا۔ ابا کی روح کی تسکین کے لیے اس نے منصور کو دل سے معاف کر دیا تھا۔ یہ لاتعلقی تو صرف اعتبار ٹوٹ جانے کا ردعمل تھی۔

ابا کے بعد اب اماں بھی نہ رہیں۔ پاکستان واپس جاتا بھی تو کس لیے۔ اب اس کے دل سے وطن لوٹنے کی رہی سہی امید بھی ٹوٹ گئی۔ اس نے خود کو بچوں اور گھر میں مگن کر لیا۔ کم ایسے موقع پر اس کے لیے بڑا جذباتی سہارا ثابت ہوئی۔ ہر گزرتا دن اسے سرمد سے قریب کر رہا تھا۔ نہ جانے کیسے وہ اس کے بغیر بتائے اس کے ہر دکھ سے آشنا ہو جاتی تھی۔ اب تو کبھی کبھی سرمد بھی اس کے سامنے اپنا دل کھولنے لگا۔ یہ ہمت کلثوم کے اپنے مزاج کی تبدیلی کی وجہ سے اسے ملی تھی۔ اس نے سرمد پر اب اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔ ایک باس کے بجائے اب وہ رفتہ رفتہ بیوی کے سانچے میں ڈھلنے لگی تھی۔

کل تک سرمد اسے اپنے سامنے احسانوں کے بوجھ تلے دبا نظر آتا تھا مگر اب وہ اس کے سامنے مشکور سی نظر آتی کہ کس طرح وہ بستر پر پڑے مفلوج ظہور احمد شمسی صاحب کی خدمت ایک بیٹے سے بڑھ کر کر رہا تھا۔ اس نے اپنے اختیارات کا کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

* * *

پانچ سال بیت چکے تھے اماں کی وفات کو۔ اب پاکستان سے اس کا رابطہ برائے نام ہی رہ چکا تھا۔ کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی۔

منصور نے جو نیا بزنس شروع کیا تھا وہ بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ اس نے بنگلے کا اوپری حصہ کرائے پر چڑھا دیا تھا۔ باہر بنا بیوٹی پارلر اور سرونٹ کوارٹر اب ایک ڈپارٹمنٹل

اسٹور میں تبدیل ہو چکے تھے جس کی آمدنی پر اس کا گزارا تھا۔ یہ سب اطلاعات اسے ملتی رہتی تھیں۔ والدین کی وفات کے بعد وہ اتنا کبیدہ خاطر ہو چکا تھا کہ اس نے بہن بھائیوں سے عمر بھر رابطہ نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی لیکن چونکہ فطرتاً وہ صاف دل کا تھا' اس لیے گزرتے سال اس کے دل و دماغ سے یہ گرد صاف کرتے رہے۔ اب پھر سے اس کے دل میں اپنی مٹی تک جڑیں پھیلانے کی تمنا چپکے چپکے سر اٹھانے لگی۔ وہ اکثر بچوں کو وہاں کے قصے سناتا۔ چچا اور پھوپھیوں سے غائبانہ تعارف کراتا اور پھر شمسی صاحب کی وفات بھی ہو گئی۔ اب اسے امریکا میں بسے رہنے کی بہ ظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔

"کلثوم! بغیر جڑوں کے کوئی پودا پھلتا پھولتا نہیں' یہاں اور کوئی نہیں تو ان کے نانا تو تھے۔ اب یہ دیکھنا ان کے لیے سچ مچ پردیس ہے۔ ان کا بھی حق ہے کہ یہ زندگی کو اپنی تمام تر گرم جوشی کے ساتھ محسوس کریں' اپنے سارے رشتوں سے محبت وصولیں۔"

کم اسے گہری نظروں سے دیکھتی رہی۔

"میرا خیال ہے کسی بھی حتمی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے تم ایک بار بچوں سے پوچھ لو بلکہ صرف پوچھنے سے کوئی فائدہ نہیں' سنی سنائی کہانیوں سے نہ جانے وہ کیا تصور باندھ بیٹھے ہوں' اچھے یا برے "اپنوں" کا۔ ان چھٹیوں میں تم انہیں ساتھ لے جاؤ پھر جو بھی فیصلہ کریں۔"

"اور تم...... کلثوم! تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گی؟"

"نہیں...... تم اپنوں کے پاس جا رہے ہو اور میرا وہاں کوئی اپنا نہیں۔" اس کی صاف گوئی جوں کی توں تھی۔

"کیوں کیا ہم تمہارے اپنے نہیں۔ میں' اسامہ' زینب؟" اس نے کلثوم کا تذبذب بھانپتے ہوئے کریدا۔ اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کے بولی۔

"ہاں...... تم میرے اپنے ہو' تم بھی' اسامہ بھی اور زینب بھی۔ جب تم وہاں ہو گے تو میں ضرور آؤں گی' لیکن پہلے یہ فیصلہ تو ہو جائے کہ تم وہاں رہو گے یا نہیں۔"

اس نے بڑی خوب صورتی سے اپنا فیصلہ مشروط کر دیا اور سرمد بچوں کے ساتھ وطن لوٹنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ وہ آٹھ سال بعد پاکستان لوٹ رہا تھا اور اس بار اس نے گھر والوں کو سرپرائز دینے سے پرہیز کیا۔ اپنے آنے کی پیشگی اطلاع اس نے وہاں بھجوا دی تھی۔

سب کچھ بدل چکا تھا' پاکستان بھی اور پاکستان والے بھی۔

UrduPhoto.com

گھر بھی اور گھر میں رہنے والے بھی۔

بچے بڑے ہو چکے تھے اور بڑے مزید بڑے۔

ناظمہ پہلے سے کہیں زیادہ چیل چکی تھی اور فاطمہ اور بھی زیادہ کمزور۔ ادریس اور نبیل دونوں کے ماتھے کی تیوریاں بھی ویسی کی ویسی تھیں۔ منصور اور بوڑھا لگنے لگا تھا جب کہ اس کی بیوی عمرانہ کے نخرے اور بھی جوان ہو گئے تھے۔ اتنے چاؤ اور لاگت سے بنائے گئے بنگلے کی حالت مخدوش تھی۔ در و دیوار روغن سے محروم تھے۔ فرنیچر، پردے سب کچھ حال سے بے حال۔ اسے رہنے کے لیے مختصر سا کمرہ دیا گیا۔ زینب کو منصور کی بیٹی کے کمرے میں ٹھہرایا گیا جہاں ناظمہ کی بیٹیاں بھی آج کل رہ رہی تھیں۔

اس بار اس نے تحائف لانے کا تکلف نہ کیا۔ پچھلی بار کا تلخ تجربہ اس کی یادداشت میں محفوظ تھا البتہ عذر اس نے یہ پیش کیا کہ اسے کسی کے سائز اور پسند کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ سب کو ان کی پسند سے یہیں شاپنگ کروا دے گا۔ سب کے خراب ہوتے موڈ اسے اپنے بچوں کے سامنے شرمندہ کر گئے۔ اس پر مستزاد ان کے بے لاگ تبصرے۔

''اے سرمد! تیری بیوی کیا اب بھی ویسی کی ویسی ہے مردمار۔''

''ہائے ہائے' لڑکی بھی اس پر ہی چلی گئی۔ کیا تھا جو تجھ پر چلی جاتی۔ لڑکا شک ماں کی شکل کا ہوتا' لڑکوں کا کیا ہے مگر ہائے...... لڑکی ذات۔''

''خیر بھائی جان کو کیا فکر' ان کے پاس کیا کم پیسہ ہے۔ فی زمانہ پیسے کی طاقت بہت ہے۔ یہ زینب تو پھر بہت ٹھیک ہے' اس کی ماں کا تو پوچھو' اس کے باپ نے بھی تو پیسے کے بل بوتے پر ہمارے بھائی کو قابو کر لیا۔''

''ہاں سرمد! سنا ہے بڈھا مر گیا۔ کچھ تجھے بھی دے کر گیا ہے یا سب اپنی حسن پری بیٹی کے نام کر گیا؟'' وہ پانی پانی ہوتا رہا۔ اسامہ اور زینب حقیقت سے بے خبر تھے یا پھر انہیں اس بات کی پروا نہیں تھی۔ یقیناً دونوں کو اپنی ماں اور نانا کے بارے میں تبصرے ناگوار محسوس ہو رہے ہوں گے لیکن انہوں نے اپنی ناگواری کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ سرمد بہ مشکل اس موضوع کو تبدیل کر پایا۔

اس بار اپنے قیام کے دوران اس کا ارادہ قریبی عزیزوں سے ملنے کا بھی تھا۔ حسنِ اتفاق چچا کے پوتے کی شادی کی تقریب اس کے آنے کے چھ روز بعد ہی آ گئی۔ وہ بچوں کو پاکستانی شادی دکھانے کے لیے بہت پرجوش تھا۔ بہت سے شناسا چہروں کو عرصے بعد دیکھ کر اسے دلی مسرت ہوئی لیکن یہ محسوس کر کے وہ بجھ سا گیا کہ ان میں سے

اکثریت اسے دیکھ کے خوش ہونے کے بجائے چہ مہ گوئیوں میں مصروف تھی۔ اس نے ان چہ مہ گوئیوں پر غور کرنے کی بجائے تقریب میں دھیان لگانے کی کوشش کی مگر کہیں کہیں سے اڑتی اڑتی کوئی جلی کٹی بات اس تک پہنچ ہی جاتی۔

اسامہ لاابالی سی فطرت کا لڑکا تھا۔ اس کا تقریباً سارا دن ہی منصور اور ناظمہ کے بیٹوں کے ساتھ لاہور گھومنے میں گزر جاتا تھا۔ اس کے تاثرات جانچنے سے وہ قاصر تھا لیکن زینب حساس لڑکی تھی۔ وہ رویوں کی خوب صورتی اور بدصورتی دونوں کو بڑی شدت سے محسوس کرتی تھی۔ اس کی گم صم کیفیت سے وہ سمجھ گیا کہ وہ خود کو یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی۔ اس نے بیٹی سے بات کرنے کی ٹھانی اور اس کی اداسی کی وجہ دریافت کی۔

''پاپا...... پتا نہیں کیوں مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا' پلیز آپ مائنڈ مت کیجیے گا...... مجھے چاچو' پھوپھو کسی سے شکایت نہیں...... لیکن وہ مجھے پسند نہیں کرتے۔ نہ مجھے' نہ ماما کو بلکہ پاپا......! آپ کو بھی نہیں...... ایسے میں میں ان کے ساتھ رہنے میں ایزی کیسے فیل کر سکتی ہوں۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو بیٹا۔ وہ ہمیں ناپسند نہیں کرتے ہیں' نہ تمہاری ماما اور نہ پاپا کو۔ وہ میرا بہن بھائی ہیں۔ میں ان کی نیچر سے واقف ہوں۔ انہیں محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا اور ناراضی کو چھپانا نہیں آتا۔ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں لیکن چوں کہ مجھ سے بے حد شکایتیں بھی ہیں اس لیے فطری طور پر ان شکایتوں اور ناراضی کی زد میں تم بھی آ جاتی ہو اور رہی تمہاری ماں...... تو ان کے خیال میں مجھے اپنے خاندان سے دور کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اس کا ہے۔ کبھی خود کو ان کی جگہ پر رکھ کے دیکھو۔''

''نو پاپا...... نیور......! میں کبھی خود کو ان کی جگہ پر نہیں رکھ سکتی۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''بہت سے لوگ کیریئر کی خاطر فیملی سے اور ملک سے دور ہو جاتے ہیں' بہت سے لوگ اپنے پیرنٹس کی مرضی کے خلاف شادی کر لیتے ہیں لیکن کوئی اس طرح اوور ری ایکٹ نہیں کرتا۔''

''تم نہیں سمجھو گی' یہ پاکستان ہے' یہ لوگ محبتوں اور رشتوں کے بارے میں اتنے وسیع النظر نہیں ہوتے بلکہ یہ مغرب میں جو خاندان اور اولاد کے حوالے سے تصور ہے اسے کھلے ذہن کا کہنا میرے نزدیک غلط ہے۔ یہ صرف خودغرضی اور......'' اس نے اچانک بات کاٹ دی۔

''سوری پاپا! میں آپ سے ایگری نہیں کرتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ یورپ اور امریکہ

UrduPhoto.com

میں فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں محبت اور خلوص کا بالکل ہی جنازہ نکل چکا ہو۔ اسی طرح ضروری نہیں کہ مشرقی ممالک نے اخلاق اور محبت پر اجارہ داری حاصل کر رکھی ہو۔ کیا یہاں خود غرضی' ریاکاری' بددیانتی اور دھوکا دہی نہیں ہوتی۔''

وہ لاجواب ہو گیا' وہ بولتی رہی۔

''آپ دور گئے تھے ان سے الگ نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے وہاں رہ کے بھی اپنی ساری فیملی کی کیئر کی' انہیں ہر طرح سے سپورٹ کیا۔ ماما نے ہمیں سب بتایا ہے۔ وہ اکثر اسامہ اور مجھے یہ بتاتی ہیں کہ کس طرح آپ نے اپنی میرڈ لائف' بزنس اور فیملی کو بیلنس رکھا اور کیسے بغیر کسی صلے کے سارے فرائض ادا کیے۔ وہ ہمیشہ ہمیں آپ کو آئیڈیلائز کرنے کا کہتی رہیں لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ کسی انسان کو اتنا اچھا بھی نہیں ہونا چاہیے۔'' اس کی زبان سے اتنی بڑی بڑی اور سنجیدہ باتیں سن کر وہ حیران رہ گیا۔ باپ کی خاموشی محسوس کر کے زینب نادم ہو گئی۔

''سوری پاپا......! میں نے آپ کو ہرٹ کیا لیکن کئی دنوں سے میں مسلسل ہرٹ ہو رہی ہوں اور میں اپنا یہ دکھ شیئر کرنا چاہتی تھی...... کس سے کرتی؟''

''تو تم مجھے الزام دے رہی ہو۔'' وہ تھکا تھکا سا بولا۔

''نو پاپا! میں جانتی ہوں آپ میری باتوں سے ناراض بھی ہو رہے ہوں گے شاید آپ کو غصہ بھی آ رہا ہو۔ ہو سکتا ہے ابھی آپ مجھے ڈانٹنے بھی لگ جائیں لیکن پاپا! مجھے یہ ڈر نہیں کہ آپ مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خفا ہو جائیں گے پھر آپ اپنے بہن بھائیوں کی کئی ایک باتیں بری لگنے کے باوجود اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟'' اس کی مدلل گفتگو سن کر سرمد مسکرانے لگا۔

''تم تو واقعی سمجھ دار ہو گئی ہو زینب......! اور وقت سے بہت پہلے ہی [illegible] بھی تمہاری عمر ہی کیا ہے اور تم انسانی رویے اور رشتوں کی اتنی عمدہ پرکھ کیسے کر لیتی ہو۔''

زینب کچھ نہ بولی' اٹھ کے سرمد کے گلے لگ گئی۔

''اوہ پاپا! میں آپ کا کیا کروں...... ماما ٹھیک کہتی تھیں' مجھے صرف اپنا ہی نہیں آپ کا خیال بھی رکھنا ہے کیوں کہ آپ ساری دنیا کے بارے میں سوچ سکتے ہیں' صرف ایک اپنے بارے میں نہیں۔'' اس کی پلکیں بھیگ رہی تھیں۔

''یہ کلثوم میرے اندر تک کیسے اتر آئی۔'' وہ زینب کا سر سہلاتے ہوئے سوچنے لگا۔

''ہاں' میں اپنے بارے میں نہیں سوچتا لیکن اس لیے کہ میرے بارے میں سوچنے کے لیے اور بہت سے لوگ ہیں۔ اسامہ' زینب اور...... کلثوم۔'' اس نے پورے وثوق سے سوچا۔

* * *

ناظمہ ہر دوسرے دن یہیں آئی ہوتی جب کہ فاطمہ کے کہنے پر نبیل اسے لاہور ہی چھوڑ گیا تھا تاکہ وہ یہ دو ہفتے بھائی کے ساتھ گزار لے۔ وہ واحد ہستی تھی جس کے ساتھ زینب کا کچھ وقت اچھا گزر جاتا تھا۔

ناظمہ کی اب عمرانہ کے ساتھ گاڑھی چھننے لگی تھی بلکہ سرمد دیکھ رہا تھا کہ وہ بعض اوقات بھابھی کی تند و تیز باتیں بھی خوش دلی سے برداشت کر جاتی ہے' حالاں کہ یہ وہی ناظمہ تھی جو کبھی عمرانہ کے ماتھے پر بل دیکھ کے بھی طوفان کھڑے کر جاتی تھی۔ اسے اپنی بہن کے مزاج کی یہ خوش آئند تبدیلی دیکھ کے خوشی ہوئی لیکن جلد ہی اس کی اس خوش مزاجی اور تحمل کا راز بھی کھل گیا۔ وہ اپنی بڑی بیٹی کے لیے منصور سے آس لگائے بیٹھی تھی جب کہ وہ دونوں میاں بیوی نیروں پر پانی نہ پڑنے دے رہے تھے۔ ناظمہ نے سرمد سے سفارش کروائی۔

''بھائی جان! ناظمہ کو چاہیے تھا کھل کے مجھ سے بات کرتی۔ آمنے سامنے بات ہو تو زیادہ اچھا ہے۔'' منصور کے کہنے پر عمرانہ چمک کے بولی۔

''آمنے کیا اور سامنے کیا' صاف سی بات ہے کہ میرا طلحہ ناظمہ کی دونوں بڑی لڑکیوں سے چھوٹا ہے' دوسرے نمبر والی صبوحی سے تو چلو چند مہینوں کا فرق ہے مگر وہ عندلیب تو پورے ڈیڑھ سال بڑی ہے۔''

''اتنا معمولی سا فرق کیا معنی رکھتا ہے۔'' اس نے کہنا چاہا مگر وہ تمسخر سے کہنے لگی۔

''ہاں بھائی جان! آپ تو یہی کہیں گے۔'' وہ اس کے دبے دبے طنز کو پی گیا۔

''اس کی اوپر تلے کی چار بیٹیاں ہیں' کچھ تو بوجھ کم کرنا چاہیے۔''

''دیکھیں بھائی جان! میرا بیٹا ابھی پڑھ رہا ہے' اسے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے ابھی چار پانچ سال لگیں گے۔ باجی اتنے سال عندلیب اور صبوحی کو بٹھائے تو نہیں رکھیں گی۔ ان سے کہہ دیجیے کہ وقت آنے دیجیے' میں انشاء اللہ ہما یا سدرہ میں سے کسی ایک کو طلحہ کے لیے مانگ لوں گا' وہ تسلی رکھیں۔'' عمرانہ نے بلبلا کے کچھ کہنا چاہا مگر منصور

UrduPhoto.com

اسے کڑی نظروں سے دیکھ کے رہ گیا۔

''بس کرو عمرانہ! یہ وقت نہیں رہا اب ایسی باتوں کا۔ ہمارے بچے جوان ہو چکے ہیں' اگر اس کی چار بیٹیاں ہیں تو ایک بیٹی میری بھی ہے۔ اپنے ہی اپنوں کو ڈھکتے ہیں۔ باجی کا بوجھ ہم بانٹیں گے' کل کو کوئی ہمارا بوجھ بانٹے گا۔ بہن بھائی ایسے ہی موقع پر کام آتے ہیں۔''

وہ بیوی کو سمجھاتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے سرمد کو دیکھتا رہا جب کہ وہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اچانک اس نے سر اٹھایا اور منصور کو جھجکتے ہوئے مخاطب کیا۔

''بیٹی تو...... منصور بیٹی تو میری بھی ہے اور ابھی ابھی...... بالکل ابھی اسی وقت اچانک میرے ذہن میں خیال آیا ہے کہ تم سے اور ناظمہ بہن سے زیادہ پریشان تو میں ہوں۔ تم لوگ بھرے پرے کنبوں میں رہ رہے ہو' اپنے دیس میں' آپ لوگ تو جانتے ہیں وہاں کا ماحول...... وہ تو شکر ہے اللہ کا کہ کلثوم کی تربیت نے ایسی نوبت نہیں آنے دی۔ میری بیٹی اور بیٹا دونوں ہی اللہ کے فضل سے بہت اچھی سوچ اور کردار کے مالک ہیں۔ منصور! کیا تم اپنے دوسرے بیٹے طیب کے لیے میری زینب......''

منصور تو ابھی چہرے پر تذبذب کے آثار لیے بھائی کا مدعا سمجھ ہی رہا تھا لیکن عمرانہ نے بات پوری ہونے کا انتظار تک نہ کیا اور بیچ میں بول پڑی۔

''میرے اور منصور کے درمیان شروع سے ہی یہ طے ہو چکا ہے بھائی جان! کہ ایک بیٹے کا رشتہ ددھیال میں اور دوسرے کا ننھیال میں ہوگا۔ اب بیٹھے بٹھائے انہوں نے...... بغیر مجھ سے مشورہ کیے آپ سے باجی کی بیٹی کے لیے ہامی بھر لی تو ظاہر ہے کہ اب طیب پر میرا حق ہے' میری بھی تین بہنیں ہیں اور تینوں بہنوں کی بیٹیاں ہیں۔ کیا مجھے ان کا بوجھ نہیں بانٹنا چاہیے۔ کیا میں اپنی بہنوں کے کام نہیں آ سکتی۔''

وہ ہاتھ نچا نچا کے بولتی' کبھی منصور اور کبھی سرمد کو دیکھتی رہی۔ سرمد نے فوراً اعتراض کرنا چاہا۔

''لیکن آپ کی بہنیں......'' اچانک وہ رک گیا۔ بہت سال بیت چکے تھے پھر بھی ایسا ذکر بھی نہیں ہوا تھا لیکن ایسی بات نہیں تھی کہ وہ یہ بھول چکا تھا کہ عمرانہ ایک کرسچن فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔

''کیوں کیا خرابی ہے میری بہنوں میں؟'' وہ تنک کے بولی۔

''بھائی جان! عمرانہ کی دونوں چھوٹی بہنیں مسلم گھرانوں میں بیاہی گئی ہیں۔'' منصور بھائی کی ادھوری بات کی تہہ تک میں اتر کے آہستہ آواز میں بولا۔ وہ سر ہلا کے رہ گیا۔ واقعی اسے اس سلسلے میں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ دونوں اپنے بیٹوں کے بارے میں خودمختار تھے جہاں چاہتے فیصلہ کرتے لیکن پھر بھی اسے عمرانہ کا یوں تنک کے منہ پر جواب دینا پسند نہ آیا۔

''جہالت کبھی سدھر نہیں سکتی۔ انکار کا بھی کوئی طریقہ سلیقہ ہوتا ہے مگر یہ عورت...... نہ جانے منصور اس کے ساتھ کیسے گزارا کر رہا ہے۔ ہر بات میں اللہ کی مصلحت شامل ہوتی ہے۔ میری زینب کہاں تک اس جاہل اور بدزبان عورت کو جھیلتی۔ نہ جانے کیوں میں یہ بات فراموش کر گیا۔'' اس نے اپنا غصہ پیتے ہوئے حسب عادت اس میں بھی ایک مثبت پہلو ڈھونڈ لیا۔

* * *

''یہ تو تم نے بہت اچھا کام کیا سرمد! خود میں بھی یہ بات منصور سے کر سکتی تھی لیکن وہ ان کا دم چھلا...... عمرانہ...... ایک پل شوہر کو اکیلا نہیں چھوڑتی۔ اللہ تمہارا بھلا کرے جو سلیقے سے یہ بات نباہ دی۔ چلو چار میں سے ایک کا تو سبب بنا۔ نہ سہی بڑی' تیسری ڈالی ہی سہی لیکن بھائی میرے سچ تو یہ ہے کہ جتنی پریشان میں صبوحی اور عندلیب کے لیے ہوں اتنا ہما اور سدرہ کے لیے نہیں ہوں۔ ان کم بختوں کی تو شکلیں بھی اچھی ہیں اور ان کے جوڑ کے رشتے ددھیال میں بھی ہیں۔ اگر ہما منصور نے لے لی تو ادریس سے کہلوا کے سدرہ کے لیے اس کے چاچے تائے پر زور ڈلواؤں گی' مگر یہ صبوحی...... یہ تو سل کی طرح میرے سینے پر جمی پڑی ہے۔'' ناظمہ نے سرمد سے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

''ناظمہ! بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں۔ ہاں ذمہ داری ضرور ہوتی ہیں...... تو کیا بہن بھائی ایک دوسرے کی ذمہ داریاں بانٹ نہیں لیا کرتے۔'' سرمد کے خیالات جان کے ناظمہ کے چہرے پر چمک آ گئی۔

''تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔''

''تو پھر...... زینب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ناظمہ...... رفیع کے ساتھ اس کا جوڑ کیسا رہے گا؟ دونوں کی عمر کے درمیان بھی مناسب فرق ہے اور مزاجاً بھی دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ رفیع بھی بہت کم گو اور سنجیدہ مزاج ہے' بالکل میری زینب کی

UrduPhoto.com

طرح۔‘‘

’’نن...... نہیں نہیں، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔‘‘ ناظمہ کے چہرے کی چمک ماند پڑ گئی اور رنگ پھیکا ہوگیا۔ گڑبڑا کے وہ فوراً اس کے اندازوں کی نفی کرنے لگی۔ ’’میرا رفیع تو بڑا ہنسوڑ اور کھلنڈرا ہے۔ ایک منٹ نچلا نہیں بیٹھتا۔ وہ تو بس ویسے ہی آج کل...... ہاں...... وہ شاید تمہارے لحاظ میں یا پھر تمہارے سامنے خوامخواہ سنجیدہ بنا رہتا ہے۔‘‘ پھر ایک دم اس نے اپنا لہجہ بدل لیا۔

’’اور یوں بھی میں تو تم سے آس لگائے ہوئے تھی کہ شاید تم ہی صبوحی یا عندلیب کی طرف توجہ دے لو۔ تمہارا اسامہ تو طلحہ سے ڈیڑھ دو برس بڑا ہی ہے۔‘‘

’’ہاں اس بارے میں بھی سوچا جا سکتا ہے لیکن پہلے تم میری بات کا جواب تو دو...... سوال پہلے میں نے کیا ہے، پہلے اس معاملے کو نمٹا لیں پھر دوسرا دیکھیں گے۔‘‘

’’دوسرا معاملہ؟ تمہارا خیال ہے میں اس وٹے سٹے پر تیار ہو جاؤں گی؟ نا بابا نا...... اس جھنجھٹ میں نہیں پڑنا مجھے۔‘‘

’’وٹہ سٹہ کیسا؟ ابھی تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ بھائی بہنوں کے درمیان بھی اگر یہ تکلف اور گریز ہونے لگا تو رشتوں میں خالص پن کیسے برقرار رہے گا۔‘‘

’’لیکن جو بات تم کر رہے ہو اس کے نتیجے میں تو رشتے بھی برقرار نہیں رہیں گے۔ میں نے وٹے سٹے کے ہاتھوں بڑے خاندان اجڑتے دیکھے ہیں مجھے تم باز ہی رکھو۔‘‘ اس نے ہاتھ جوڑے۔

’’ویسے بھی بیٹیوں کے ہوتے میں رفیع کے بارے میں فی الحال سوچنا نہیں چاہتی۔‘‘

’’آخر کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی تمہیں اس کی شادی تو کرنا ہی ہے۔ مجھے بھی زینب کی شادی کی جلدی نہیں، ابھی اسے بہت پڑھنا ہے۔ میری مانو تم یہ بات بھی ادریس بھائی صاحب کے سامنے رکھ دینا۔ ظاہر ہے کہ میں بھی کلثوم سے مشورہ کیے بغیر کوئی حتمی جواب تمہیں نہیں دے سکتا اور پھر بچوں کی رائے جاننا بھی ضروری ہے۔ یہ تو بس ایسے ہی میں تم سے اپنا خیال ہی ظاہر کر رہا تھا۔ تمہارے اندیشے بالکل بے بنیاد ہیں۔ وٹہ سٹہ نقصان دہ ضرور ہے مگر اپنوں میں کیا نقصان......‘‘ اس نے زور دینے کی کوشش کی مگر وہ بہ دستور نفی میں سر ہلاتی رہی۔

’’نہ بھائی! تم کسی آس پر مت رہنا اور نہ ہی دوبارہ یہ ذکر کرنا۔ تمہاری بیٹی باہر

پلی بڑھی، وہ تو یہاں رہنے سے رہی...... ظاہر ہے کروڑ پتی نانا کی نواسی، اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی ایک بینکر کی بہو بن کے اندرونِ لاہور کے مکان میں تو رہ نہیں سکتی اور میرا اکلوتا بیٹا...... چار بہنوں کا ایک بھائی، اپنے باپ کا واحد سہارا، اسے کیسے میں سات سمندر پار بھیج دوں۔ نہ تو مجھ میں اتنا حوصلہ ہے، نہ ہی میں اتنی خود غرض ہوں کہ بھائی کی فرمائش پوری کرنے کے لیے اپنے شوہر کی نسل کے واحد وارث کو اس سے دور کر دوں۔‘‘

’’لیکن میں تو اب یہیں......‘‘ وہ اسے اپنے مستقلاً پاکستان شفٹ ہونے کی اطلاع دینے ہی والا تھا کہ اچانک زور زور سے بولتی عمرانہ کمرے میں داخل ہوئی اور سرمد مصلحتاً خاموش رہا لیکن بھاوج سے بات چھپا لینے کے باوجود وہ بھائی کو آگاہ کرنا نہ بھولا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ ناظمہ کی سفارش منصور سے کر سکتا ہے تو منصور بڑے بھائی کی بیٹی کے لیے بہن پر دباؤ کیوں نہیں ڈال سکتا۔ ابھی وہ منصور سے صرف زینب کی بات چھیڑ دینے کے ذکر تک ہی پہنچا تھا کہ وہ کہہ اٹھا۔

’’کیوں اپنی پھول سی بچی رولنی ہے بھائی جان! ناظمہ ہے تو میری بہن لیکن وہ کتنی تکلیف دہ چیز ہے اس کا اندازہ بھی مجھے ہی سب سے بڑھ کے ہے۔ اس کی زبان شروع ہی سے گز بھر کی ہے اور بد مزاج بھی شروع سے ہے، چار نندیں، دو جٹھانیاں اور تین دیورانیاں...... محاذ آرائی کے لیے ہمیشہ ماحول سازگار رہتا تھا۔ ان سے لڑ مر کے ایسی عادت پڑ گئی ہے باجی کو کہ اب وہ کسی کو بخشنے پر تیار نہیں ہوتیں۔ خدا کا واسطہ ہے دوبارہ یہ ذکر بھول کے مت چھیڑیے گا، بہت پچھتائیں گے۔ آپ کے سامنے کل ساری بات واضح ہو گئی تھی کہ میں کس قدر مجبور ہوں، کیا کروں بیوی کی بھی ماننا پڑتی ہے۔ اس بدنصیب نے اس گھر میں آ کے کون سا سکھ دیکھا ہے۔ کبھی میرے کاروبار کی ناکامیاں، کبھی تنگ دستی، کبھی مایوسی، آپ کو کیا خبر...... کوئی اور عورت ہوتی بلکہ کوئی اور کیوں آپ ہی کی بیوی ہوتی تو دیکھتا کتنے دن یہ خدمت کرتی۔ ایسے میں اس عورت کا بھی حق بنتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ منوا سکے اور کچھ نہیں تو اپنے بیٹے کا فیصلہ ہی خود کر سکے ورنہ زینب کی مجھے کتنی خواہش ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ اسے دیکھ کے آنکھوں میں ٹھنڈک اتر آتی ہے ورنہ آج کل کی لڑکیاں...... اور کوئی نہیں تو اپنی باجی کی ہی چاروں دیکھ لیں۔ باجی نے بچپن سے ہی خاندانی جھگڑوں میں الجھا الجھا کے انہیں پکا کر دیا ہے۔ ہر سازش، غیبت اور مکر میں ماں کی برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ بس آپ کا کہا لوٹا نہیں سکا اس لیے طلحہ کے لیے سدرہ کی ہامی بھر بیٹھا...... خیر اس کے نلیے اس کی ساس یعنی میری بیگم کافی ہوگی۔‘‘ وہ

UrduPhoto.com

ہنسنے لگا پھر ایک دم جھک کر رازداری سے کہنے لگا۔

"کہیں ناظمہ باجی نے آپ کو بھی تو پھنسانے کی کوشش نہیں کی۔"

کب سے اس کی عجیب و غریب گفتگو منہ کھول کے سنتا' سرمد ہونق پن' سے اسے تکنے لگا۔

"اوہو بھائی جان! ایک تو آپ بھولے بہت ہیں' دنیاداری آپ کو چھو کے نہیں گزری۔ کوئی آپ سا سادہ نہ ہو۔ کہیں باجی کے جذباتی ڈرامے کا شکار ہو کے ان کی عندلیب یا صبوحی میں سے کسی ایک کو چن نہ بیٹھیے گا۔ سچ سچ بتایئے کہیں باجی نے آپ کے آگے بھی تو رونے نہیں روئے۔"

وہ کریدنے لگا۔ سرمد اس کے درست انداز پر حیران رہ گیا لیکن اس کی تصدیق نہ کر سکا۔ جو بھی تھا' وہ اتنا "بلند حوصلہ" ابھی نہ ہوا تھا کہ اپنی ہی بڑی بہن کے مزید بخیے ادھیڑنے کا موقع خود فراہم کرتا۔ اس نے خاموشی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ اب کے حیران ہونے کی باری منصور کی تھی۔

"کمال ہے وہ تو آپ کے آنے کے دوسرے دن سے یہ پروگرام بنائے بیٹھی تھیں۔ اسامہ پر ان کی گہری نظر ہے۔ اتنے لائق فائق خوبرو جوان کے سر اپنی بدمزاج اور جنگجو بیٹی منڈھنا چاہتی ہیں۔ آپ کا ایک ہی بیٹا ہے۔ دیکھ بھال کے بہو منتخب کیجیے گا۔ اب تیری بینش کو ہی دیکھ لیں۔ ماں نے اتنی اچھی تربیت کی ہے' ان شاء اللہ جہاں جائے گی' اجالا کر دے گی۔ اس کے سسرال والے عمر بھر ہمیں دعائیں دیں گے کہ کیسا نایاب گوہر ان کے حوالے کیا۔"

وہ ٹٹولنے والی نظروں سے بھائی کو دیکھتے ہوئے بولا مگر سرمد کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

اس کی سمجھ سے یہ سارا کھیل بالاتر تھا۔ جب سے وہ یہاں آیا تھا روز ایک نئی الجھن اسے تذبذب میں ڈال دیتی۔

٭ ٭ ٭

ابھی تک وہ بھائی بہنوں پر اپنا مستقل لاہور شفٹ ہونے کا پروگرام اس لیے ظاہر نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ کلثوم کی رائے کے عین مطابق یہ فیصلہ اسامہ اور زینب کی مرضی سے کرنا چاہتا تھا۔ زینب کا تنفر تو اس کی خاموشی اور تحمل کے باوجود اس پر ظاہر ہو چکا تھا البتہ اسامہ کی مرضی جاننا باقی تھا۔

وہ رفیع کے ساتھ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ سرمد نے ہی اسے وہاں بھیجا تھا۔ اپنے برے وقتوں کے ساتھی سعید کے پاس۔ وہ سعید جو اس کے امریکہ آنے کے بعد اس کا سہارا بنا تھا جس نے اسے اس کو پہلی پہلی ملازمت دلوائی تھی۔ سرمد نے کبھی اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کیا تھا۔ مائیک جو کثرتِ شراب نوشی کے باعث ڈرائیونگ کرنے سے قاصر ہو چکا تھا' سرمد نے نہ صرف اس کا علاج کروایا تھا بلکہ اس کو اپنے پیٹرول پمپ پر ملازمت بھی دلوائی تھی۔ سعید جو کئی سال سے امریکہ میں چھوٹی موٹی ملازمتوں کے ذریعے روٹی کمانے کے لیے دھکے کھا رہا تھا اسے بغیر کسی قسم کی شرائط کے کاروبار شروع کرنے کے لیے قرضہ دلوایا۔ جلد ہی وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ معمولی پیمانے پر شروع کیا گیا اس کا کاروبار خوب پھلا پھولا چوں کہ اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہی تھے اس لیے پانچ سال پہلے وہ اپنا سارا بزنس وائنڈ اپ کر کے واپس چلا گیا تھا اور آج کل اسلام آباد سیٹل تھا۔

سرمد نے آنے سے پہلے اس کو بھی اطلاع کر دی تھی اور جب سے وہ آیا تھا مسلسل سعید کے بلاوے آ رہے تھے۔ سرمد نے فی الحال اسامہ کو وہاں بھیج دیا تھا تاکہ پہلے وہ اچھی طرح سعید کے بزنس کا جائزہ لے لے کیوں کہ سعید نے اسے اپنے بزنس میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی بلکہ اس نے تو اس کے سامنے اور بھی کئی پروپوزل رکھے تھے جن کے بارے میں اس نے فی الحال غور کرنے کی زحمت نہ کی تھی لیکن اب وہ سنجیدگی سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔

گھر میں ہونے والی عجیب سازشی اور دوغلی سرگرمیاں اسے اپنے فیصلے جلد از جلد عمل کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

اور اس رات جب اچانک زینب آنسو بہاتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور وہ اس کی شکایتوں پر تڑپ کے بہن سے گلہ کرنے گیا تو وہاں ہونے والی گفتگو سن کے اس نے یک لخت اس فیصلے پر عمل کر لیا' حالاں کہ جس وقت زینب نے اسے عندلیب اور صبوحی کے تبصرے بتائے تو وہ سن کر بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

"پاپا! بس بہت ہو گیا۔ آخر ہر چیز کی کوئی حد ہوتی ہے' خصوصاً جس دن یہ عندلیب وغیرہ آتی ہیں تب تو مجھے اتنا کچھ سننا اور سہنا پڑتا ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔"

"بیٹا! میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ بہن بھائیوں کے درمیان مذاق اور

UrduPhoto.com

چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی ہے اسے یوں دل پر نہیں لینا چاہیے۔'' اس نے روتی ہوئی زینب کو
تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے اسے گلے سے لگایا' حالاں کہ وہ خود حیران ہو رہا تھا کہ
آخر ایسی کیا بات ہوگئی جو زینب جیسی متحمل مزاج لڑکی یوں تڑپ کے رو رہی ہے۔
''پاپا! یہ مذاق ہے؟ جس دن سے میں یہاں آئی ہوں میری ہر بات ان کے
لیے تماشا ہے' ڈرامہ ہے' ڈھکوسلہ ہے' میرا شلوار قمیص پہننا ان کے نزدیک ڈراما بازی
ہے' میرا سر پر دوپٹہ اوڑھنا انہیں ناٹک لگتا ہے۔ کبھی مجھ سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا میں
اپنے ماما اور پاپا کے سامنے ڈرنک کر لیتی ہوں یا چھپ کے اپنا شوق پورا کرتی ہوں۔''
''واٹ......؟'' وہ اچھلا۔
''بس پاپا......! اور یہ تو وہ باتیں ہیں جنہیں میں کب سے نظر انداز کرتی آرہی
ہوں لیکن کل سے...... پرسوں پہلے تو بینش مجھ سے بڑا دوستانہ قائم کرتے ہوئے مجھ سے
یہ اگلوانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میرے کتنے بوائے فرینڈ ہیں......؟'' اس کے سر جھکا
کے کہنے پر سرمد بھی نظریں جھکا کے رہ گیا۔
''مجھے اس کا بار بار کریدنا برا لگا پھر بھی میں نے تحمل اور شائستگی سے اسے ٹال دیا
لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ اتنی جھوٹی ہے۔ اس نے اپنی طرف سے پتا نہیں کیا چٹپٹے قصے
پھوپھو کی بیٹیوں کو سنائے کہ کل سے' جب سے وہ آئی ہوئی ہیں انہوں نے میرا جینا حرام
کر دیا۔ عندلیب بینش کو مشورہ دے رہی تھی کہ جب تک میں یہاں ہوں وہ اپنی ممی کے
کمرے میں رہا کرے ورنہ میری کمپنی اسے بھی خراب کر دے گی اور صبوحی اپنے بھائی
کے بارے میں خدشات ظاہر کر رہی تھی کہ میں اسے پھانسنے کے چکر میں ہوں اور پاپا! یہ
سب باتیں وہ میرے سامنے کرتی ہیں۔ میرے ساتھ بیٹھ کے اور ان کی اتنی
ہمت کیسے بڑھی...... آپ جانتے ہیں؟ صرف آپ کی وجہ سے...... لیکن پاپا میں آپ کی
بیٹی ضرور ہوں لیکن آپ کی کمزوریوں کی حصہ دار نہیں بنوں گی۔ میں ان سے خود نمٹ
سکتی تھی لیکن میں آپ کے پاس آئی ہوں' صرف یہ جاننے کے لیے کہ آپ خود پر ہونے
والی ہر زیادتی سہہ جاتے ہیں' بڑی سے بڑی بات پی جاتے ہیں' کیا آپ میرے ساتھ
بھی یہی سب ہونے دیں گے؟''
آنکھوں میں آنسو بھرے اس نے ایسا سوال کیا کہ سرمد تڑپ کے کھڑا ہوگیا۔ لمبے
لمبے ڈگ بھرتا وہ منصور کے کمرے کی طرف بڑھا' وہ جانتا تھا جب ناظمہ وہاں رہنے
آئے تو رات دیر تک سب کی محفل اسی کے کمرے میں لگا کرتی۔ ڈرائنگ' ڈائننگ سے

گزرتا ہوا جب وہ بڑے سے لاؤنج میں پہنچا جو اس وقت اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا تو
منصور کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آتی گفتگو میں اپنے نام کی تکرار سن کر وہیں
تھم گیا اور ناظمہ کے الفاظ سن کر تو دنگ رہ گیا۔
''آئے ہائے کیا میرے رفیع کے لیے وہی جمعدارنی رہ گئی ہے۔ سرمد کو تو ذرا حیا
نہ آئی' کیسے منہ پھاڑ کے اپنی کم صورت بیٹی میرے سامنے رکھ دی۔ میں تو سچ پوچھو گھبرا
ہی اٹھی۔ کیسے انکار کرتی' دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک طمانچہ رسید کروں اس ذلیل کے منہ
پر۔''
اور سرمد کو لگا جیسے اس کے چہرے پر طمانچوں کی بوچھاڑ ہوگئی ہو۔ سنسناتے
رخساروں کے ساتھ وہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔
''خود تو بے غیرت ساری عمر سسر کے گھر کا کتا بنا رہا' اب اپنی بیٹی کو ٹھکانے
لگانے کے لیے بھی وہی حربہ آزما رہا ہے جو اس کی بیوی کے لیے اس کے باپ نے سوچا
تھا۔ اس کا خیال ہوگا میرے بیٹے کو سات سمندر پار لے جائے گا اور اپنی دولت کی
رکھوالی کے لیے اسے بھی کتا بنا کے رکھ دے گا۔ جیسے میری ماں مرتے دم تک بیٹے کی
صورت کو ترستی رہی میں بھی انہیں ایسے دیکھے مر جاؤں۔ میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی دولت
پر۔''
''لیکن باجی! آپ بھائی جان سے بات تو کرتیں۔'' فاطمہ نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے
ان کا ارادہ ایسا نہ ہو۔ میرا مطلب ہے وہ رفیع کو گھر داماد بنانے کے بجائے یہیں سیٹل
کر دیتے۔''
''تم اتنی پٹیاں مت پڑھاؤ۔'' منصور نے اسے جھڑک کے رکھ دیا۔ ''بھائی
صاحب کی عادت میں اچھی طرح جان چکا ہوں' وہ کسی کو دمڑی دینے کے روادار نہیں۔
ہر وقت یہی رونے روتے رہیں کہ جو کماتا ہوں سب بھیج دیتا ہوں۔ ارے اتنے تگڑے
سسر کے کاروبار پر جمے بیٹھے تھے کوئی تو وجہ تھی پتا نہیں سسر اور بیوی سے چھپ چھپا کے
اندر ہی اندر کتنا مال اپنا کر لیا ہو۔ یہی دیکھ لو اتنے سالوں میں پلٹ کے اس بنگلے میں اپنا
حصہ نہیں مانگا بلکہ واپس آکر پوچھ گچھ کرنے کی زحمت تک نہ کی' حالاں کہ میں تو کتنا
عرصہ ڈرا رہا کہ کہیں ان کے آنے سے سارا کھیل نہ بگڑ جائے۔ ابا جی کے بار بار کہنے پر
بھی میں نے ان کی بیماری کی اطلاع وہاں نہ دی اور تدفین سے صرف ایک گھنٹہ پہلے خبر
بھجوائی کہ کہیں وہ آکر ان کی وصیت کے کاغذات نہ مانگ لیں اور ان کے جعلی ہونے کا

UrduPhoto.com

راز نہ کھل جائے لیکن کیا وہ آئے؟ نہیں نا؟ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کروڑ ڈیڑھ کروڑ کے ہاتھ سے نکلنے کا کوئی افسوس نہیں...... وہ تو وہاں لمبے ہاتھ مار رہے تھے۔"

اس کے انکشاف پر سرمد ڈھے گیا۔ کتنے سال اس نے اس حقیقت سے نظریں چرائے رکھیں۔ ذہن میں بار بار پیدا ہوتے اس خیال کو وہ وسوسہ کہہ کر جھٹلا دیتا اور سختی سے خود کو ٹوکتا "اپنے ہی بھائی پر شک' تف ہے تم پر" اور اس کا اس صبر اس کا درگزر کرنا کس کام آیا یہ اس کے دور کی کمائی تھی جب اسے پیسہ اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا تھا جتنا اب ہوتا ہے۔ بڑی جان ماری تھی اس نے اس رقم کے لیے۔ آج سب کچھ حاصل ہو جانے کے بعد بھی اسے اس پونجی کے ضائع ہونے کا افسوس نہ جاتا تھا۔ شاید اس لیے بھی کہ یہ سرمایہ اس نے بھروسہ اور اعتماد کے ہاتھوں گنوایا تھا لیکن منصور کے نزدیک اس کی چشم پوشی کی وجہ کیا تھی...... یہ؟ اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر پھر سے کان کمرے سے آتی آوازوں کی طرف لگائے۔

"کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ امریکا میں کروڑوں کی جائداد ہونے کے باوجود وہ ہم پر ظاہر نہیں کرتے کہ کہیں کسی بھائی بہن کو کچھ دینا نہ پڑ جائے۔ تو اتنی توفیق انہیں کہاں ہوگی کہ بیٹی کو جہیز میں بنگلہ اور فیکٹری دے دیں۔ وہ تو داماد کو بطور جہیز ساتھ لے جانے کے چکر میں ہیں۔ مجھے بھی پھانسنا چاہ رہے تھے۔ وہ تو عمرانہ کے دماغ نے کام کیا اور جان چھڑائی۔"

"اچھا کیا عمرانہ نے' ظاہر ہے میری بیٹا بھی اب تمہارے گھر آئے گی۔ اس کا گزارا زینب جیسی کے ساتھ نہیں ہونے والا۔ کہاں میری گھریلو سی سیدھی سادی بیٹیاں اور کہاں یہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والی امریکن۔"

"نہیں باجی! ایسی بات نہیں' زینب اچھی لڑکی ہے۔" فاطمہ نے پھر سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "امریکا میں پلی بڑھی ہونے کے باوجود اس میں اچھی عادات پائی جاتی ہیں۔"

"رہنے دو تم فاطمہ! رہنے دو' تم تو ہمیشہ بے وقوف ہی رہو گی۔ زینب جیسی لڑکیاں ہماری تمہاری بیٹیوں کی جیسی نہیں ہوتیں۔ اس کی ماں نے اس کی خاک تربیت کرنی تھی وہ تو خود کسی شرابی' حبشن کی اولاد تھی۔ میری صبوحی نے خود بتایا ہے کہ وہ روز رات کو چوری چھپے سُو نے لگاتی ہے۔ کیا خبر بوتل بھی چھپا کے رکھی ہو۔ ارے میں تو کنواری لڑکی کی چال پہچان لیتی ہوں۔ یہ...... یہ تو روز کلبوں میں رُلنے والی لگتی ہے' تب ہی شکل پر

لعنت برستی ہے۔"

سرمد کے اعصاب منجمد ہو گئے۔ اس کی رگوں میں خون کے بجائے لاوا اُبلنے لگا۔ اس کے برف پڑتے پیر جم چکے تھے۔ اس کے اندر باہر...... ایک ہی سوال کی تکرار تھی۔

"کیوں؟ کیسے؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ناظمہ ایسا کیسے کہہ سکتی ہے؟ میری ہی ماں جائی ہے وہ...... کیسے وہ میری بیٹی کے بارے میں اتنے بے بنیاد الزام......"

"بالکل درست فیصلہ کیا آپ نے باجی! میں تو چھوٹا ہوں' منہ پر سچ نہیں کہہ سکتا۔ آپ ہی اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتیں اور کھری کھری انہیں سنا دیتیں۔" منصور کے اکسانے پر ناظمہ نے احسان جتاتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں' آخر ہے تو بھائی...... اور پھر......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ آخر اسے اپنی بیٹی بھی تو ٹھکانے لگانا تھی۔ اسامہ کے لیے...... اسامہ...... جو اسی حبشن کا بیٹا ہے جس کا خون زینب کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

"میری بیٹی ان کے لیے گالی ہے تو اپنی بیٹی میرے لیے گھر میں دینے کے لیے وہ اتنے بے تاب کیوں ہیں؟"

"بھئی مان گیا ہوں اپنے بھائی صاحب کو' چالیں چلنا تو کوئی ان سے سیکھے۔ کس قدر چالاکی اور مکاری سے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔" یہ وہی منصور تھا جو دو روز قبل اسے کہہ رہا تھا۔

"بھائی جان! آپ بھولے بہت ہیں' دنیاداری تو آپ کو چھو کے نہیں گزری۔ کوئی آپ سا سادہ بھی نہ ہوگا۔" منصور کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ وہ خود کو سنبھالتا ڈولتے قدموں کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

"ہاں کوئی مجھ سا بھی نہ ہو' کم زور' بے بس' بزدل...... محبت نے مجھے بزدل بنا دیا تھا اپنوں کی محبت...... میں بزدل ہی تو تھا' ڈرتا رہا میرے کسی عمل سے یہ لوگ مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔ مجھے خود سے الگ نہ کردیں۔ زینب سچ کہتی ہے کہ جن کی ناراضی کے ڈر سے آپ دل کی بات نہ کہہ سکیں وہ اپنے کیسے ہوسکتے ہیں۔ کم از کم اتنا مضبوط تو بننا ہی ہوگا کہ اپنی بیٹی کی طرف اٹھنے والی انگلیاں توڑ کے رکھ دوں۔" ایک محبت نے اسے کم زور بنا دیا تھا تو ایک محبت نے اسے مضبوط بنا دیا۔ یہ محبت اس کی بیٹی کی محبت تھی۔ اسی محبت نے اسے پھر سے ان کا سامنا کرنے پر اکسایا۔

اس کے ایک دم اندر آ جانے سے عمرانہ' منصور اور ناظمہ کے قہقہے تھم گئے۔

UrduPhoto.com

"بھائی جان! آپ اس وقت؟ آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟" سب سے پہلے منصور نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں، اسامہ کا فون آیا تھا اور ابھی ابھی اس سے پروگرام فکس کرنے کے بعد میں تمہیں بتانے آیا ہوں۔"

"کیا؟" وہ چاروں بے تابی سے کہہ اٹھے۔

"یہی کہ صبح کی فلائٹ سے میں اور زینب اسلام آباد جا رہے ہیں۔ اسامہ کو وہ شہر بھی پسند آیا ہے اور سعید کا آئیڈیا بھی۔ دراصل میں آپ سے ذکر کرنا بھول گیا۔ میں اپنے دوست سعید کے مشورے پر اسلام آباد میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل کھولنا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لیے میں نے فیملی سمیت پاکستان مستقلاً شفٹ ہونے کا ارادہ کرلیا ہے اور ناظمہ! تم سے اور منصور دونوں سے معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں گا کہ میرے بیٹے کو سعید کی بیٹی عروبہ پسند آگئی ہے اس لیے تم دونوں کی خواہش پوری کرنا اب میرے بس میں نہیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے باری باری منصور اور ناظمہ کے چہرے دیکھے، دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔

"حالاں کہ تم دونوں نے ہی اسامہ کے لیے اپنی اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا' ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ میں خود تذبذب کا شکار تھا کہ بینش اور عندلیب میں سے کس کا انتخاب کروں۔ ایک کو پسند کرتا ہوں تو دوسرے فریق کی ناراضی کا خدشہ تھا اور ویسے بھی مجھے تو کوئی درست مشورہ دینے والا ہی نہیں تھا' اگر منصور سے پوچھتا ہوں تو اس کی رائے کے مطابق عندلیب اور صبوحی میرے بیٹے کے لیے قطعی مناسب نہیں۔ وہ کچھ ذکر تو کر رہا تھا ان دونوں کی تلخ مزاجی اور بدزبانی کا...... اور بھئی میرے گھر کا ماحول تو بڑا پرسکون ہے۔ میں اس میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا۔"

اس کے صاف صاف کہنے پر ناظمہ نے دانت کچکچاتے ہوئے منصور کو دیکھا جو اتنی کھری سن لینے کے بعد آئیں بائیں شائیں کر رہا تھا۔ سرمد نے مزید کہا۔

"ادھر ناظمہ کی رائے بھی بینش کے بارے میں کچھ ٹھیک نہیں تھی کہ وہ دن میں ایک تنکا تک نہیں توڑتی اور تو اور کئی سالوں سے میٹرک نہیں کر پا رہی جب کہ اسامہ اعلا تعلیم یافتہ ہے' اس کا گزارا نان میٹرک کے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے؟"

عمرانہ نے کھا جانے والی نظروں سے نند کو دیکھا جس کو اعتماد میں لے کر ہی اس

نے یہ ڈھونگ رچا رکھا تھا کہ بینش تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔

"جاتے جاتے میں ایک دفعہ پھر آپ دونوں سے معذرت کروں گا۔ میں نے تو کوشش کی تھی کہ ہمارا رشتہ آئندہ نسلوں تک جڑ پکڑ جائے۔ زینب کا معاملہ تم دونوں کے آگے رکھنے کی بھی یہی وجہ تھی ورنہ میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں لیکن اگر ایسا کچھ بھی طے نہ پاسکا تو خدا کی یہی مرضی ہوگی۔ میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا' اس لیے میرا یقین ہے کہ اللہ بھی ہر کام میں اچھائی ہی اچھائی رکھتا ہے۔ عروبہ اچھے گھرانے کی تعلیم یافتہ پردہ دار لڑکی ہے۔ یہ جو پردیسی ہوتے ہیں نا...... انہیں اپنی اقدار' دیس میں رہنے والے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ وہاں کی سرد بے رحم ہواؤں کے ڈر سے ہم اپنی نسل کو زیادہ سنبھال سنبھال کے بچا رکھتے ہیں۔ اسامہ کو ایسی ہی حیادار اور مشرقی لڑکیاں پسند ہیں اور میں بھی اپنی آئندہ نسل کے لیے ایسی ہی بہو کا متلاشی تھا۔

اور بالکل یہی خیالات میرے امریکا میں رہنے والے دوست انور کے ہیں۔ وہ بھی اپنی آنے والی نسلوں کی بہتر تربیت کے لیے ایک ایسی بہو کا خواہش مند ہے جو حسنِ صورت کی بجائے حسنِ سیرت سے مالا مال ہو جو اپنی ستھری سوچ اور پاک کردار کے بل بوتے مغرب کی بے باک فضا میں بھی ایک آئیڈیل گھرانہ تشکیل دے سکے اسی لیے اس نے زینب کا ہاتھ مانگا تھا۔ اس کا بیٹا حافظ قرآن ہے اور کینیڈا کی پاکستان ایمبیسی میں اعلا پوسٹ پر سفارت کار بھی ہے لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ میری خواہش تھی کہ اگر میں پاکستان شفٹ ہو رہا ہوں تو بہتر ہے کہ زینب بھی میرے پاس رہے لیکن...... لیکن مجھے یہ جان کے بڑا دکھ ہوا کہ یہاں سب دل لبھانے والی صورتوں کے طلب گار ہیں۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ زینب نے قرآن مجید بمع تفسیر کے پڑھ رکھا ہے اور وہ باقاعدگی سے اسلامک سینٹر میں تبلیغی درس کے لیے جاتی ہے' اس لیے میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسے اسی گھر میں بھیجوں جہاں اس کی ضرورت ہو' قدر ہو...... اپنے مذہبی رجحان کی بہ دولت وہ بھی کسی دین دار شوہر کی آرزو مند ہے۔ یہ تو خدا کا ہی بنایا ہوا قانون ہے کہ دین دار کو دین دار' حیادار کو حیادار اور پاک باز کو پاک باز ساتھی ہی نصیب ہوتا ہے۔"

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ناظمہ' منصور اور عمرانہ کے دھواں دھواں ہوتے چہرے دیکھے۔ فاطمہ کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ اس نے سکوت کو توڑنے میں پہل کی۔

UrduPhoto.com

''بہت بہت مبارک ہو آپ کو بھائی جان!'' اس کے لہجے میں حقیقی مسرت کی جھنکار تھی۔ ''واقعی آپ کا ایمان درست ہے کہ اللہ کے ہر کام میں کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے۔ جو بھی ہوا' جس طرح بھی ہوا' آپ کے اور آپ کی اولاد کے حق میں تو بہتر ہی ہوا۔''

سرمد نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کمرے سے نکل گیا۔ سامنے ہی زینب چہرے پر ہزاروں سوال لیے کھڑی تھی۔ اس نے بیٹی کے شانے پر بازو دراز کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

''ساری پیکنگ مکمل کر لو' ہم صبح کی فلائٹ سے ہی اسلام آباد جا رہے ہیں۔''

''تو کیا یہ سب...... آپ نے...... یہ آپ نے بالکل سچ کہا؟'' وہ اس کے اس بیان کو انتقامی کارروائی سمجھ رہی تھی۔

''تمہارے پاپا نے کبھی جھوٹ نہیں بولا زینب! مجھ میں بہت سی کمزوریاں ہوں گی بیٹا! لیکن میں نے نہ تو کبھی کسی کو دکھ دینے کی کوشش کی' نہ ہی دھوکا دینے کا ارادہ کیا۔ ہمیشہ نیک نیتی سے خود سے وابستہ ہر شخص کو مطمئن رکھنے کی کوشش کی۔ شاید خدا کو میری یہی ادا پسند آ گئی ہو' تب ہی تو اس نے مجھ پر ہمیشہ اپنا کرم رکھا۔ بے وطنی کا دکھ دیا تو رزق بھی بے حساب اتارا۔ بہن بھائیوں کی وفا تقدیر میں نہ تھی مگر اس نے مجھے اس قابل تو بنایا کہ مرتے وقت میرے ماں باپ کے لبوں پر میرے لیے دعا ہوگی۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے اسی لیے کہ میرے پاس ان کھوکھلے سہاروں کے بجائے دوستی' محبت اور اعتماد کے وہ مضبوط ستون ہیں جو خدا نے میرے ہر دکھ اور محرومی کے مداوے کے طور پر مجھے دیے ہیں۔ تم' اسامہ اور کلثوم...... تم تینوں کا وجود ازالہ نہیں بلکہ انعام ہے میرے لیے۔''

اس نے زینب کا ماتھا چوم لیا۔

* * *